فقہ احمدیہ

عبادات

پیشکش

تدوینِ فقہ کمیٹی سلسلہ عالیہ احمدیہ

نمازِ جمعہ

ہفتہ بھر کے سات دنوں میں سے ایک دن کا اسلامی نام جمعہ ہے۔ اس دن ہر شہر اور اس کے مضافات میں رہنے والے مسلمان نہا دھو کر۔ صاف ستھرے اور اُجلے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ جمعہ کا یہ دن ایک طرح سے مسلمانوں کی عید کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اجتماعی عبادت کے علاوہ اس بابرکت اجتماع کے ذریعہ حلقۂ تعارف وسیع ہوتا ہے۔ اجتماعی مقاصد کے متعلق سوچنے اور باہمی تعاون کے مواقع میسّر آتے ہیں۔ مساوات اسلامی کے مظاہرہ کا موقع ملتا ہے۔ قومی اور جماعتی ضرورتوں کا پتہ چلتا ہے۔ وعظ و تذکیر سن کر رضائے الٰہی کی راہوں پر چلنے کی توفیق ملتی ہے۔

جمعہ کی نماز کا وقت وہی ہے جو ظہر کی نماز کا ہے۔ البتہ امامِ وقت کی اشد ضروری سفر یا جنگی انداز کی اہم مصروفیت کے پیشِ نظر چاشت کے بعد اور زوال سے قبل بھی جمعہ پڑھا جا سکتا ہے۔ لہ

نمازِ جمعہ کے لئے جماعت شرط ہے۔ یہ نماز تمام بالغ تندرست مسلمانوں پر واجب ہے۔ البتہ معذور۔ نابینا۔ اپاہج۔ بیمار اور مسافر۔ نیز عورت کے لئے واجب نہیں۔ ہاں اگر یہ شامل ہو جائیں تو ان کی نماز جمعہ ہو جائے گی۔ ورنہ وہ ظہر کی نمازیں پڑھیں۔

لہ (۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نهی عن الصلوٰة نصف النهار حتی تزول الشمس الا یوم الجُمعة۔ (مسند الشافعی ص۵۲)

(۲) عن ابی قتادة عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم انه کرہ الصلوٰة نصف النهار الا یوم الجُمعة۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰة باب الصلوٰة یوم الجمعة قبل الزوال جلد ۱ ص۱۵۵)

(۳) الحنابلة قالوا یبتدی وقت الجُمعة من ارتفاع الشمس قدر رُمح و ینتهی بصیرورة ظل کل شیٔ مثله سوی ظل الزوال. ولکن ما قبل الزوال وقت جواز یجوز فعلها فیه ۔ وما بعد الزوال وقت وجوب یجب ایقاعها فیه وایقاعها فیه افضل ۔ (کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة ص۳۰۵ جلد اوّل)

نمازِ جمعہ کا طریق

سورج ڈھلنے کے ساتھ ہی پہلی اذان دی جائے۔ امام جب خطبہ پڑھنے کے لئے آئے تو دوسری اذان کہی جائے۔[۱]

پہلے خطبہ میں تشہد اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حسب موقع ایسی زبان میں ضروری نصائح کی جائیں جس کو لوگوں کی اکثریت سمجھتی ہو۔ اس خطبہ میں لوگوں کو ان کے فرائض کی طرف توجہ دلائی جائے۔ اس کے بعد ایک دو منٹ کے لئے خطیب خاموش ہو کر بیٹھ جائے۔ پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ عربی کے مقررہ مسنون الفاظ میں پڑھے۔ دونوں خطبے توجہ سے سننے چاہئیں۔ ان کے دَوران میں بولنا جائز نہیں[۲] البتہ ضرورت پر ہاتھ یا انگلی کے اشارے سے کسی کو متوجہ کیا جا سکتا ہے ہاں امام اگر کوئی بات پوچھے تو جواب دینا چاہیئے۔

خطبہ ثانیہ کے بعد اقامت کہہ کر دو۲ رکعت نماز باجماعت ادا کی جائے۔ نماز میں قرأت بالجہر ہو۔ خطبہ پڑھنے والا ہی نماز پڑھائے البتہ اگر کوئی اشد مجبوری ہو تو امام وقت کی ہدایت پر کوئی دوسرا شخص بھی نماز پڑھا سکتا ہے۔ جمعہ کی نماز سے پہلے اور بعد چار چار رکعت نماز سنّت پڑھی جائے۔ بعد میں چار کی بجائے دو رکعت بھی پڑھی جا سکتی ہیں[۳]۔ خطبہ کے دَوران میں پہنچنے والے شخص کے لئے مناسب ہے کہ وہ صفوں کو پھلانگ کر آگے جانے کی کوشش نہ کرے[۴]۔ اگر وہ چاہے تو جلدی جلدی دو۲ رکعت نماز سنّت[۵] ادا کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی وجہ سے آخری قعدہ میں شامل ہو تو وہ بھی دو۲ رکعت نماز پوری کرے کیونکہ اتحادِ نیّت کی وجہ سے رکعتوں کی تعداد اتنی ہی رہے گی جتنی امام نے پڑھی ہیں۔ البتہ ثواب ضرور کم ہوگا۔ جمعہ کی نماز کی کوئی قضاء نہیں۔ اگر

---

[۱]:- ان الاذان یوم الجمعة کان اوّلہ حین یجلس الامام یوم الجمعة علی المنبر فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر فلما کان فی خلافة عثمان وکثروا امر عثمان یوم الجمعة بالاذان الثالث فاذن بہ علی الزوراء فثبت الامر علی ذالک۔ (بخاری باب التأذین عند الخطبة ص۱۲۵ ج۱)

[۲]:- ابوداؤد کتاب الصلوٰة باب الکلام والامام یخطب ص۱۵۸ ج۱ ؛ [۳] ابوداؤد باب الصلوٰة بعد الجمعة وشرح السنة ص۴۴۹ ج۳ ؛

[۴]:- ابوداؤد کتاب الصلوٰة باب تخطی رقاب الناس یوم الجمعة ص۱۵۹ ج۱ ؛ [۵] بخاری کتاب الصلوٰة باب من جاء والامام یخطب صلی رکعتین ص۱۲۷ ج۱ ؛

وقت کے اندر جمعہ نہ پڑھا جا سکے تو پھر ظہر کی نماز پڑھی جائے۔

خطبہ ثانیہ کے مسنون الفاظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا وَمَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ط وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ نَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۔ عِبَادَ اللّٰهِ رَحِمَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ٥ اُذْكُرُوا اللّٰهَ یَذْكُرْكُمْ وَادْعُوْهُ یَسْتَجِبْ لَكُمْ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ط[1]

یعنی ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس لئے ہم اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اور اس سے مدد چاہتے ہیں اور اس کی مغفرت کے طالب ہیں۔ اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر توکل کرتے ہیں۔ اور ہم اپنے نفس کے شرور اور اپنے اعمال کے بدنتائج سے اس کی پناہ چاہتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے اُسے کوئی بھی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کی گمراہی کا وہ اعلان کرے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس نے یہ درسِ توحید ہمیں دیا اُس کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ اے اللہ کے بندو تم پر اللہ رحم کرے۔ وہ عدل اور انصاف کا حکم دیتا ہے۔ اور قریبی رشتہ داروں سے اچھے سلوک کا ارشاد فرماتا ہے اور بے حیائی۔ بُری باتوں اور باغیانہ خیالات سے روکتا ہے۔ وہ تمہیں اس بناء پر نصیحت کرتا ہے کہ تم میں نصیحت قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو وہ تمہیں یاد کرے گا۔ اُسے بلاؤ وہ تمہیں جواب دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا یاد کرنا سب سے بڑی نعمت ہے۔

جمعہ کی فرضیت و اہمیت

"جمعہ کے بارہ میں خاص ایک سورہ قرآن شریف میں موجود ہے جس کا نام سورۃ الجمعہ ہے اور اس میں حکم ہے کہ جب جمعہ کی بانگ دی جائے تو تم دُنیا کا ہر ایک کام بند کر دو اور مسجدوں میں جمع ہو جاؤ۔

[1] :- ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الرجل یخطب علی قوس صفحہ ۱۵۶

اور نماز جمعہ اس کی تمام شرائط کے ساتھ ادا کرو۔ اور جو شخص ایسا نہ کرے گا وہ سخت گنہگار ہے۔ اور قریب ہے کہ اسلام سے خارج ہو اور جس قدر جمعہ کی نماز اور خطبہ سُننے کی قرآن شریف میں تاکید ہے اس قدر نماز کی بھی نہیں۔" [1]

سوال:۔ جمعہ کے فرض ہونے کی کیا شرائط ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بڑا شہر ہو۔ مسلمان حکومت ہو تب جمعہ فرض ہوتا ہے شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:۔ قرآن کریم میں نماز جمعہ پڑھنے کا حکم ہے۔ فرمایا "اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ۔ (سورۃ جمعہ ۱۰)

یعنی جب تم کو جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کے لئے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کے لئے جلدی جایا کرو اور خرید و فروخت کو چھوڑ دیا کرو۔

نیز قرآن و حدیث میں کہیں ایسا ذکر نہیں کہ جمعہ کے فرض ہونے کے لئے ضروری ہے کہ شہر پختہ ہو اور وہاں مسلمان حکومت ہو۔ اس کے برعکس طبرانی کی حدیث سے ثابت ہے کہ شہر ہو یا گاؤں اگر وہاں نماز پڑھانے والا کوئی ایسا پڑھا لکھا آدمی ہے جو امام بن سکے تو وہاں جمعہ واجب ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

عَنْ اُمِّ عَبْدِ اللّٰہِ الدَّوْسِیَّۃِ مَرْفُوْعًا اَلْجُمُعَۃُ وَاجِبَۃٌ عَلٰی کُلِّ قَرْیَۃٍ فِیْھَا اِمَامٌ وَاِنْ لَّمْ یَکُوْنُوْا اِلَّا اَرْبَعَۃً۔ وَفِیْ رِوَایَۃٍ وَاِنْ لَّمْ یَکُوْنُوْا اِلَّا ثَلَاثَۃً رَابِعُھُمُ الْاِمَامُ [2]

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ ہر اُس گاؤں میں واجب ہے جہاں نماز پڑھانے والا امام ہو خواہ مقتدی چار ہوں یا تین۔

حقیقت یہ ہے کہ بعض علماء نے محض احتیاط کے پیش نظر صرف وجوب کے لئے یہ شرائط بیان کی ہیں۔ کیونکہ جمعہ کے لئے مختلف جگہوں سے بہت سے لوگ جمع ہوتے ہیں اور خاص انتظام کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ کوئی اختلاف اور گڑبڑ پیدا نہ ہو۔ اسلئے کسی منتظم ادارہ (خواہ بادشاہت کی صورت ہو یا جمہوری حکومت کی۔ انجمن کی ہو یا شہر کے با اثر لوگوں کی یونین جس کی لوگ باتیں مانیں) کا ہونا ضروری ہے۔ غرض یہ صرف انتظامی ہدایت ہے تاکہ امن عامہ میں کسی قسم کا خلل

---

[1] :۔ بدر ۱۴ مارچ ۱۹۰۸ء، فتاویٰ مسیح موعود صـ۱۱۹، الحکم ۲۴ جنوری ۱۹۰۳ء

[2] :۔ طبرانی و ابن عدی بحوالہ نیل الاوطار صـ۲۳۱ باب انعقاد الجمعۃ باربع و اقامتھا فی القریٰ

واقعہ نہ ہو۔ ورنہ یہ کوئی لازمی شرط نہیں کہ اس کے بغیر جمعہ نہ ہو سکے۔ پس اگر بسہولت انتظام ہو سکے اور کسی گڑبڑ کا خطرہ نہ ہو تو جمعہ کا پڑھنا ضروری ہے خواہ شہر ہو یا کوئی گاؤں وہاں حکومت کا کوئی با اقتدار نمائندہ ہو یا نہ ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے ہمیشہ جمعہ پڑھا ہے۔ خواہ آپ کسی شہر میں ہوتے یا گاؤں میں۔ کیونکہ یہ قرآن کریم کا حکم ہے اور قرآن کے ہر حکم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ عمل کرتے تھے۔

غرض جمعہ کا پڑھنا ایک عمومی حکم ہے چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے:۔

"إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِقَوْمٍ يَتَخَلَّفُونَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ ثُمَّ أُحَرِّقَ عَلَى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُونَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوتَهُمْ" [1]

حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

إِنَّ اللهَ لَقَدِ افْتَرَضَ عَلَيْكُمُ الْجُمُعَةَ فِي مَقَامِي هٰذَا فِي شَهْرِي هٰذَا فِي عَامِي هٰذَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَرِيضَةً مَكْتُوبَةً لِمَنْ وَجَدَ إِلَيْهَا سَبِيلًا۔ [2]

ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحُثُّ عَلَى فِعْلِ الْجُمُعَةِ فِي جَمَاعَةٍ أَكْثَرَ مِنْ غَيْرِهَا۔ [3]

یہ تمام حوالے اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ جمعہ جب بھی پڑھا جائے وہ بحیثیت فرض کے ہوگا۔ اس کا نفل ہونا کسی درجہ میں بھی صحیح نہیں۔ اسی طرح نماز جمعہ نماز ظہر کا بدل ہے جس نے جمعہ پڑھا ہے اس کے لئے ظہر کا پڑھنا بلا وجہ ہوگا اور شرعی امور میں عمل بالرائے۔ اور یہ دونوں امر ایک مومن کی شان سے بعید ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل صحابہ کرامؓ کا دستور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا اجماع اس امر پر شاہد ہیں کہ جمعہ پڑھنے کی صورت میں کسی نے بھی ظہر کی نماز منفرداً یا اجتماعی رنگ میں نہیں پڑھی۔ کسی روایت میں بھی اس کا ذکر نہیں آتا۔ بلکہ تمام روایتوں سے یہی پتہ چلتا ہے کہ نماز جمعہ سقوطِ ظہر کا باعث ہے۔ جو شخص اس امر کا مدعی ہے کہ جمعہ پڑھنے کے بعد ظہر کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ یا ظہر کا پڑھنا ضروری ہے

۱: مسند احمد ص ۲۰۲ ج ۱، نیل الاوطار ص ۲۲۱ ج ۱ ؛ ۲: کشف الغمہ باب صلاۃ الجمعہ ص ۲۴۹ ج ۱ ؛ ۳: کشف الغمہ ص ۲۴۹ ج ۱ ؛

بارِ ثبوت اس کے ذمہ ہے۔

یہ امر بے شک درست ہے کہ جمعہ کے وجوب کے لئے بعض ایسی شروط ہیں کہ جن کے بغیر جمعہ صحیح نہیں ہوتا۔ مثلاً جمعہ کے لئے جماعت ایک ایسی حتمی شرط ہے کہ اس کے بغیر جمعہ درست نہ ہوگا۔ ایک شخص (فردِ واحد) کے لئے جمعہ کا پڑھنا درست نہیں وہ جمعہ کی بجائے ظہر پڑھے اس کے علاوہ بعض اور بھی مناسب شرائط ہیں جو وجوب جمعہ کا باعث بنتی ہیں لیکن ان میں سے بعض کے فقدان کے باوجود اگر کوئی جمعہ پڑھے تو اس کا جمعہ فرض کی صورت میں ادا ہوگا اور وہ ظہر کی نماز کے قائمقام بنے گا۔ مثلاً عورت، مریض، مسافر اور غلام پر جمعہ واجب نہیں لیکن اگر وہ جمعہ پڑھیں تو ان کی طرف سے یہ بحیثیت فرض ادا ہوگا اور ان کے لئے یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ اس کے بعد ظہر کی نماز بھی پڑھیں۔

سفر اور جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

"دوستوں میں یہ اختلاف ہؤا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فتویٰ ہے کہ اگر نمازیں جمع کی جائیں تو پہلی، پچھلی اور درمیانی سنتیں معاف ہوتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جب نماز ظہر یا عصر جمع ہوں تو درمیانی سنتیں معاف ہوتی ہیں یا اگر نماز مغرب اور عشاء جمع ہوں تو درمیانی اور آخری سنتیں معاف ہو جائیں گی۔ لیکن اختلاف یہ کیا گیا ہے کہ ایک دوست نے بیان کیا کہ وہ ایک سفر میں میرے ساتھ تھے مَیں نے جمعہ اور عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھائیں اور جمعہ کی پہلی سنتیں پڑھیں۔ یہ دونوں باتیں صحیح ہیں۔ نمازوں کے جمع ہونے کی صورت میں سنتیں معاف ہو جاتی ہیں یہ بات بھی صحیح ہے اور یہ بھی صحیح کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز سے قبل جو سنتیں پڑھا کرتے تھے مَیں نے وہ سفر میں پڑھیں اور پڑھتا ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کی نماز سے پہلے جو نوافل پڑھے جاتے ہیں ان کو دراصل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے اعزاز میں قائم فرمایا ہے۔ سفر میں جمعہ کی نماز پڑھنا بھی جائز ہے اور چھوڑنا بھی جائز ہے۔ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سفر میں جمعہ پڑھتے بھی دیکھا ہے اور چھوڑتے بھی دیکھا ہے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک مقدمہ پر گورداسپور تشریف لے گئے ہوئے تھے اور آپ نے فرمایا کہ آج

جمعہ نہیں ہوگا کیونکہ ہم سفر پر ہیں۔ ایک صاحب جن کی طبیعت میں بے تکلفی ہے وہ آپ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ سُنا ہے حضور نے فرمایا کہ آج جمعہ نہیں ہوگا۔

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل یوں تو ان دنوں گورداسپور میں ہی تھے مگر اس روز کسی کام کے لئے قادیان آئے تھے ان صاحب نے خیال کیا کہ شاید جمعہ نہ پڑھے جانے کا ارشاد آپ نے اس لئے فرمایا ہے کہ مولوی صاحب یہاں نہیں ہیں اس لئے کہا حضور مجھے بھی جمعہ پڑھانا آتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں آتا ہوگا مگر ہم تو سفر پر ہیں۔ ان صاحب نے کہا کہ حضور مجھے اچھی طرح جمعہ پڑھانا آتا ہے اور مَیں نے بہت دفعہ جمعہ پڑھایا بھی ہے۔ آپ نے جب دیکھا کہ ان صاحب کو جمعہ پڑھانے کی بہت خواہش ہے تو فرمایا کہ اچھا آج جمعہ ہوگا۔ تو مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو سفر کے موقع پر جمعہ پڑھتے بھی دیکھا ہے اور چھوڑتے بھی اور جب سفر میں جمعہ پڑھا جائے تو مَیں پہلی سنتیں پڑھا کرتا ہُوں اور میری رائے یہی ہے کہ وہ پڑھنی چاہئیں کیونکہ وہ عام سے مختلف ہیں اور وہ جمعہ کے احترام کے طور پر ہیں۔" [۱]

غرض جمعہ کی نماز ہر جگہ ہو سکتی ہے۔ سفر میں بھی اور حضر میں بھی۔ نہ اس کے لئے شہر کا ہونا شرط ہے نہ اقامت۔ جوازِ جمعہ کے لئے صرف ایک شرط ہے کہ امن وامان اور نظم و ضبط قائم رکھا جاسکے۔ لوگوں میں تمدن اور مل جل کر رہنے کا شعور ہو تاکہ زیادہ لوگوں کے جمع ہونے کی وجہ سے گڑبڑ کا خطرہ نہ ہو۔

البتہ ایک بات ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جمعہ فرض اسی وقت ہوگا جبکہ انسان مقیم ہو تندرست ہو حالات پُرامن ہوں اور اتنے لوگ جمع ہو سکیں جو جماعت کے لئے ضروری ہیں ورنہ بصورت دیگر جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

جمعہ کی نماز فرض ہونے کے معنے یہ ہیں کہ جمعہ ضروری ہوگا۔ اور اس کی بجائے ظہر کی نماز جائز نہ ہوگی۔ امام بیہقی کی روایت ہے کہ والئ بحرین نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں لکھا کہ جمعہ کے لئے آیا کسی خاص مقام شہر گاؤں وغیرہ کی شرط ہے یا نہیں۔ اس پر آپ نے اس والی کو لکھا کہ تم جہاں بھی ہو وہیں جمعہ پڑھ سکتے ہو۔ یعنی اس کے لئے سفر یا حضر کی کوئی شرط نہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

"ان اجمعوا حیث ما کنتم" [۲]

اسی طرح بیہقی کتاب الجمعہ میں روایت ہے:-

---

[۱]:- الفضل ۲۴ جنوری ۱۹۴۲ء و ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۶ء

[۲]:- ازالۃ الخفاء ص۹۲۔ فقہ عمر ص۸۲

"الجمعة واجبة علی کل قریة وان لم یکن فیها الا اربعة ۔" [1]

ظاہر ہے کہ اس جواب کے بعد یہ بحث بے کار ہو جاتی ہے کہ شہر کی کیا حدود ہیں اور اس کے مضافات کیا ہیں۔

فوجی نقل و حرکت کے دوران میں جمعہ کی نماز کے بارہ میں ہدایت یہ ہے کہ اگر فوج مع امیر عساکر کسی ایسی جگہ پڑاؤ ڈالے ہوئے ہو جو قریہ یا شہر کا حکم رکھتی ہو اور وہاں جمعہ پڑھا جا سکتا ہو تو وہاں فوج بھی جمعہ کی نماز پڑھے ورنہ ضروری نہیں۔ ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں:۔

"کَانُوْا لَا یَجْمَعُوْنَ فِیْ الْعَسَاکِرِ" [2]

کیا جمعہ کی نماز دو آدمیوں سے ہو سکتی ہے

سوال:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی خدمت میں سوال ہوا کہ کسی گاؤں میں اگر دو احمدی ہوں۔ یا ایک مرد اور کچھ عورتیں ہوں تو وہ بھی جمعہ پڑھ لیا کریں یا نہ؟

جواب:۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے مولوی محمد احسن صاحب سے خطاب فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ دو سے جماعت ہو جاتی ہے اس لئے جمعہ بھی ہو جاتا ہے۔

آپ نے فرمایا:۔ ہاں پڑھ لیا کریں۔ فقہاء نے تین آدمی لکھے ہیں اگر کوئی اکیلا ہو تو وہ اپنی بیوی وغیرہ کو پیچھے کھڑا کر کے تعداد پوری کر سکتا ہے۔ [3]

صاحب نیل الاوطار اس بارہ میں فقہاء اسلام کے مسلک پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

من قال انها تصح باثنين فاستدل بان العدد واجب بالحديث والاجماع ورایٔ انه لم يثبت دليل على اشتراط عدد مخصوص و قد صحت الجماعة فى سائر الصلوٰت باثنين ولا فرق بينها وبين الجماعة ولم يأت نص من رسول الله صلى الله عليه وسلم بان الجمعة لا تنعقد الا بكذا وهذا القول هو الراجح عندى۔ [4]

---

[1]:۔ سنن الکبریٰ بیہقی ص ۱۷۹/۳ ٭ [2]:۔ اوجز المسالک شرح موطا امام مالکؒ ص ۳۵۲/۱ ٭

[3]:۔ الحکم ۱۰ر مارچ ۱۹۰۵ء، بدر ۵ ستمبر ۱۹۰۷ء، الفضل ۲۷ مئی ۱۹۱۵ء، ۱۹ جنوری ۱۹۲۲ء، فتاویٰ مسیح موعود ص ۱۲۰ ٭

[4]:۔ نیل الاوطار ص ۲۳۲/۳ باب انعقاد الجمعہ باربعین واقامتها فى القرىٰ ٭

سوال :- کیا عورتیں علیحدہ جمعہ کی نماز پڑھ سکتی ہیں اور اس کا طریق کیا ہوگا۔ نماز باجماعت کی صورت میں عورت اقامت کہہ سکتی ہے؟

جواب :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کے زمانہ میں ہمیں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ عورتوں نے الگ جمعہ یا عید کی نماز پڑھی ہو۔ سنت بھی یہی ہے کہ مرد اور عورتیں مل کر ایک جگہ جمعہ یا عید پڑھیں۔ تاہم عورتیں چونکہ بوقت ضرورت الگ نماز باجماعت پڑھ سکتی ہیں اس لئے اصولی طور پر باجازت مرکز حسب ضرورت کبھی کبھی ان کے لئے علیحدہ جمعہ یا عید کی نماز پڑھنے میں بھی بظاہر کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اسے ایک مستقل عادت نہ بنا لیا جائے۔ جمعہ یا نماز باجماعت کی صورت میں عورت اقامت بھی کہہ سکتی ہے لیکن ان میں جو عورت امامت کرائے وہ صف کے آگے کھڑی ہونے کی بجائے پہلی صف کے درمیان میں کھڑی ہو۔[1] اسی قسم کے ایک سوال کے ضمن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

(۱) "اگر کوئی خاص مجبوری ہو تو اس کی بناء پر عورتوں کو علیحدہ اکٹھے ہو کر جمعہ پڑھنے کی اجازت دی جا سکتی ہے تاکہ اُن میں دینی رُوح قائم رہے لیکن اگر عام حالات میں بھی ایسا کرنے کی اجازت دے دی جائے تو مردوں اور عورتوں میں اختلاف پیدا ہونے کا امکان ہے۔ مَردوں کے خیالات اور طرف جا رہے ہوں گے عورتوں کے اور طرف اس لئے عام حالات میں حکم یہی ہے کہ مرد اور عورتیں ایک مقام پر جمعہ کا فریضہ ادا کریں۔" [2]

(۲) علامہ ابن قدامہ اپنی مشہور کتاب المغنی میں لکھتے ہیں :-

قال ابن المنذر اجمع کل من نحفظ عنہ من اھل العلم ان لا جمعۃ علی النساء واجمعوا علی انھن اذا حضرن فصلین الجمعۃ ان ذلک یجزی عنھن لان اسقاط الجمعۃ للتخفیف عنھن فاذا تحملوا المشقۃ وصلوا اجزاھم کالمریض۔ [3]

---

[1] :- قیام اللیل باب المرأۃ تؤم النساء بشیخ محمد بن نصر المروزی ص ۱۶۳ ؛

[2] :- الفضل ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۸ء ؛ [3] :- المغنی لابن قدامہ ص ۲۲۳/۲ ؛

خُطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہیئے

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا:۔

۱۔ اسلامی سنّت تو یہی ہے کہ خطبہ کھڑے ہو کر پڑھا جائے مگر میں کچھ دنوں سے بیمار ہوں کھڑا نہیں ہو سکتا۔ (حضور اس وقت کرسی پر بیٹھے تھے)

۲۔ چونکہ مجھے نقرس کا دورہ ہے اس لئے مَیں خطبہ جمعہ کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتداء میں یہ حکم تھا کہ جب امام کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھا سکے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھا کریں۔ لیکن بعد میں خدا تعالیٰ کی ہدایت کے ماتحت آپؐ نے اس حکم کو بدل دیا اور فرمایا[۱] کہ اگر امام کسی معذوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی نہ بیٹھیں بلکہ وہ کھڑے ہو کر ہی نماز ادا کیا کریں۔ پس چونکہ میں کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھا سکتا اس لئے مَیں بیٹھ کر نماز پڑھاؤں گا اور دوست کھڑے ہو کر نماز ادا کریں۔[۲]

خُطبہ کا اختصار

سوال:۔ کیا یہ ہدایت ہے کہ جتنا وقت خطبہ پر لگے اس سے آدھا وقت نماز پر صرف ہو؟

جواب:۔ عام اصول یہ ہے کہ خطبہ چھوٹا اور نماز لمبی ہو۔ سوائے اس کے کہ کوئی خاص قومی ضرورت لمبے خطبہ کی مقتضی ہو۔ یا خلیفۂ وقت خود ایسا کرنا ضروری سمجھیں کیونکہ خلیفۂ وقت قوم کی بہبود کے مرکزی ذمہ دار ہوتے ہیں اور جماعت کا وقت ان کے وقت کے تابع ہوتا ہے۔ یہ ایک مخصوص حق ہے جس کا کوئی دوسرا علی الاطلاق حقدار نہیں۔ خطبہ کے بارہ میں عام ہدایت اس حدیث سے ظاہر ہے:۔

---

۱ :۔ انما جعل الامام لیؤتم بہ ...... اذا صلّی جالسًا فصلوا جلوسًا اجمعون قال ابو عبد اللہ قال الحمیدی قولہ واذا صلّی جالسًا فصلوا جلوسًا ھو فی مرضہ القدیم ثم صلی بعد ذٰلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم جالسًا والناسُ خلفہ قیامٌ لم یأمرھم بالقعود وانما یؤخذ بالاٰخر فالاٰخر من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب انما جعل الامام لیؤتم بہ ص ۹۵)

۲۔ عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ وابوبکر یصلی بالناس نصلی جنب ابی بکر والناس یأتمون بابی بکر وابوبکر یأتم بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب اذا صلی الامام قاعدًا ص ۴۹)

۲ :۔ الفضل یکم اپریل ۱۹۱۵ء و ۳ رجولائی ۱۹۵۱ء

عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ طُوْلَ صَلٰوةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهٖ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهٖ فَاَطِيْلُوا الصَّلٰوةَ وَاقْصُرُوا الْخُطْبَةَ ۔ [1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

"گو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خطبہ کا یہی طریق تھا کہ جمعہ کی نماز جو دو رکعت ہوتی ہے اس کی نسبت مختصر ہوتا مگر اس زمانہ کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر خطبہ لمبا کیا جاتا ہے۔ مختصر خطبہ پڑھنا سنّت یا فرض نہیں کیونکہ عرب میں رواج تھا کہ بڑی سے بڑی نصیحت کو چھوٹے سے چھوٹے فقرے میں ادا کر دیتے تھے ہمارے ملک میں لوگ لمبی گفتگو سے مطلب سمجھتے ہیں۔ مگر عرب میں کوشش کی جاتی تھی کہ وسیع مضمون کو دو جملوں میں ادا کیا جائے۔ چونکہ خطبہ سے غرض اصلاح ہے اسلئے ملک کی حالت کو مدنظر رکھ کر لمبا خطبہ بیان کرنا پڑتا ہے مگر جس طرح چھوٹا خطبہ پڑھنا فرض نہیں اسی طرح لمبا خطبہ پڑھنا بھی فرض نہیں"۔ [2]

سوال :۔ نماز جمعہ کے وقت دو خطبے ہوتے ہیں ایک تو لمبا جو اُردو یا جونسی زبان میں چاہیں پڑھیں دوسرا جو عربی میں ہوتا ہے۔ کیا دوسرا خطبہ پڑھنے کی بجائے ہم دعائیں یا صرف درود شریف پڑھ سکتے ہیں ؟

جواب :۔ دوسرا خطبہ وہی مسنون عربی کا ہی پڑھنا ضروری ہے جو خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا ہے۔ [3]

سوال :۔ دوسرے خطبہ میں عربی کا آدھا حصّہ پڑھنے کے بعد دس پندرہ منٹ تک جماعتی کاموں کے متعلق باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ دوسرا خطبہ خالصتہً قرآنی آیات اور ادعیہ ماثورہ پر مشتمل ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ خلیفہ وقت کا عمل ایک استثنائی صورت ہے لیکن عام ہدایت یہی ہے کہ کوئی ضروری بات بامر مجبوری دوسرے خطبہ میں بیان کی جا سکتی ہے۔ لمبی چوڑی باتیں کرنا مناسب نہیں۔ خلفاء راشدین کے طریق عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ اور جنہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح کے خطبات جمعہ متعدد بار

---

[1] :۔ مسلم کتاب الجمعہ باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ ص ۳۳۷ ، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب اقصار الخطبہ ص

[2] :۔ الفضل ۱۱ جنوری ۱۹۲۴ء ٭ [3] :۔ الفضل ۱۰ اگست ۱۹۵۱ء ٭

سنتے ہیں وہ اس رائے کی تائید کریں گے۔ کہ دوسرے خطبہ کے دوران میں لمبے چوڑے اعلانات کے لئے یہ کوئی مناسب موقع نہیں ہے۔

سوال:۔ خلیفۂ وقت کے علاوہ اگر جمعہ یا عید میں ایک آدمی خطبہ دے اور دوسرا آدمی نماز پڑھائے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب:۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا اس بارہ میں جو عمل تھا اس کی وضاحت مندرجہ ذیل نوٹ سے ہو جاتی ہے:۔

"قادیان ۲۷ نبوت ۱۳۲۱ ہش۔ آج حضور نے خطبہ جمعہ پڑھا جس کے لئے حضور آرام کرسی پر بیٹھ کر جسے چند دوستوں نے اٹھایا ہوا تھا مسجد میں تشریف لائے اور بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ نماز حضور نے بیٹھ کر پڑھی جو حضرت مولوی شیر علی صاحب نے پڑھائی"۔ [1]

خلفاء کے علاوہ دوسرے افراد جو امام الصلوٰۃ ہوں مثلاً امیر مقامی۔ پریذیڈنٹ۔ مربی۔ وہ کیا کریں۔ اس بارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اس نوٹ کے ساتھ استصواب کیا گیا کہ "جماعت احمدیہ کا یہ مسلک تو عملاً مسلّم ہے کہ خلیفۂ وقت بیماری یا کسی اور وجہ سے اگر مناسب خیال فرمادیں تو خود خطبہ جمعہ یا خطبہ عید ارشاد فرمادیں اور نماز جمعہ عید پڑھانے کے لئے کسی اور کو حکم دیں"۔

خلیفۂ وقت کے علاوہ کسی اور کے لئے بھی یہ جائز ہے کہ خطبہ ایک شخص دے اور نماز دوسرا شخص پڑھائے"۔ اس پر حضور نے فرمایا:۔

"صرف خلیفۂ وقت۔ اس کی ذمہ واری کے پیش نظر"۔ [2]

سوال:۔ مسجد تین منزلہ ہے بعض اوقات لاؤڈ سپیکر نہ ہونے کی وجہ سے تینوں منزلوں میں امام کی آواز نہیں پہنچتی۔ کیا تینوں منزلوں میں تین امام جدا جدا خطبہ دے سکتے ہیں جبکہ نماز ایک ہی امام کے پیچھے ادا کی جائے؟

جواب:۔ ایک ہی مسجد میں ایک ہی وقت میں دو یا زیادہ اشخاص کا مستقلاً خطبہ پڑھنا تعامل کے خلاف ہے۔ اس کی بجائے بہتر صورت یہ ہے کہ خطیب اپنے نقیب مقرر کردے جو اس کی آواز دوسری منزل کے نمازیوں تک پہنچائیں۔ آخر نماز میں بھی تو اس طریق کے مطابق تکبیرات کی آواز پہنچائی جاتی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خطبہ بالکل مختصر کردیا جائے۔ جیسا کہ مرکزی مسجد میں حضرت امیر المؤمنین کی ہدایت ہے کہ خطیب دس پندرہ منٹ سے زیادہ کا خطبہ نہ دے۔

---

[1]:۔ الفضل ۲۹ نومبر ۱۹۴۲ء و ۲۷ جنوری ۱۹۴۵ء ؛ [2]:۔ رجسٹر فتاویٰ افتاء فتویٰ ۱۱۱ مورخہ ۲۱/۲/۱۹۶۲ ؛

ایک تدبیر (بشرطیکہ بات پہنچانی ضروری ہو) یہ ہو سکتی ہے کہ خطیب اپنا خطبہ لکھ لے اور نچلی منزل والا مقرّر اِس وضاحت کے ساتھ یہ لکھے ہُوئے الفاظ دہرائے کہ اُوپر اصل خطیب یہ باتیں بیان کر رہے ہیں۔

نمازِ جمعہ اور ریڈیو

سوال:۔ کیا امام الصلوٰۃ کی موجودگی میں ریڈیو پر نشر ہونے والی نمازِ جمعہ اور خطبہ جمعہ کی تتبع میں نماز ادا کی جا سکتی ہے؟

جواب:۔ نمازِ باجماعت کی طرح خطبہ جمعہ اور نمازِ جمعہ ایک مخصوص اسلامی عبادت ہے جس کے معین شرائط۔ ارکان اور آداب ہیں۔ جن کے بغیر یہ عبادت صحیح نہیں ہو سکتی۔ فرض جمعہ کی ادائیگی کا ایک حصّہ امام کا سامنے ہونا۔ اس کا خطبہ دینا اور اس کے بعد جمعہ کی نماز پڑھانا ہے۔ جس طرح ایک شخص لیٹے ہُوئے اللہ تعالیٰ کا تصوّر کرے اس کی خشیّت اور محبت دل میں پیدا کرے تو اس کی اس حالت کو نماز نہیں کہہ سکتے۔ اِسی طرح موجود امام کے بغیر خطبہ سُننے اور دوسرے شہر سے آنے والی آواز کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو نمازِ جمعہ ادا کرنا نہیں کہہ سکتے۔ اسلام کی مخصوص عبادات میں اپنے طور پر کسی قسم کی تبدیلی کو جائز تسلیم نہیں کیا گیا۔ امّتِ مسلمہ کا یہ اجتماعی فیصلہ ہے اس میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر کسی علاقہ کے لوگوں کو شوق ہو کہ وہ ریڈیو پر نشر ہونے والے خطبہ جمعہ یا نمازِ جمعہ کو سُنیں تو وہ سُن سکتے ہیں لیکن اپنا جمعہ وہ الگ پڑھیں گے۔ مثلاً پہلے پروگرام سُن لیں بعد میں جمعہ ادا کریں۔ یا پہلے اپنا جمعہ پڑھ لیں بعد میں نشر ہونے والا پروگرام سُن لیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اپنے طور پر جمعہ مسنون طریق کے مطابق وہ بہر حال پڑھیں گے۔ خطبہ مختصر ہو سکتا ہے جو تشہد، درود شریف اور الحمد پر مشتمل ہو۔ نماز بھی الگ پڑھنی چاہیئے جو موجود امام پڑھائے۔ ریڈیو پر نشر ہونے والے اس قسم کے پروگرام سُننے میں انسان کی اپنی خواہش اور شوق کا دخل ہے اور اگر ازدیادِ علم و ایمان مقصد ہو تو اس کا ثواب بھی ملے گا۔ لیکن اس ثواب کو جمعہ کی عبادت کے ادا ہونے کے قائم مقام نہیں کہہ سکتے۔

سوال:۔ خطبہ جمعہ ہو رہا ہو تو چار رکعت پڑھی جائیں یا دو۔ نیز خطبہ اولیٰ میں پڑھنی چاہئیں یا خطبۂ ثانیہ میں؟

جواب :۔ جو شخص خطبہ کے دوران آئے وہ صرف دو رکعت نماز ادا کرے اور وہ بھی ہلکی ہلکی۔ چار رکعت ادا کرنا درست نہیں۔

دونوں خطبے ایک سے ضروری ہیں۔ دونوں آرام اطمینان اور توجہ سے سُننے چاہئیں۔ اگر کسی نے خطبہ کے دوران میں سنتیں ادا کرنی ہیں تو وہ کسی وقت ادا ہو سکتی ہیں۔ پہلے خطبہ میں بھی اور دوسرے میں بھی۔ تاہم بہتر یہ ہے کہ مسجد میں آتے ہی پہلا کام دو رکعت ادا کرنے کا ہے۔ اس سے بھی بہتر صورت یہ ہے کہ دو رکعت گھر پر ہی ادا کر کے آئے اور مسجد میں اطمینان سے بیٹھ کر خطبہ سُنے۔[1]

وہ حدیث جس کی بناء پر دوران خطبہ دو رکعت سنّت پڑھنے کی اجازت ہے یہ ہے :۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيْهِمَا ۔[2]

خُطبہ کے دوران میں بولنا

"جب امام بلائے تو بولنا جائز ہے ورنہ خطبہ کے دوران میں بولنا سخت غلطی اور گناہ عظیم ہے۔ اگر دُعا کرنی ہو تو آہستگی سے کرنی چاہیئے کہ دوسرے کو یہ دھوکا نہ لگے کہ کوئی بول رہا ہے۔ بعض جگہوں سے اطلاع آتی ہے کہ لوگ خطبہ کے دوران میں بول پڑتے ہیں یہ غلطی ہے اور گناہ ہے اس کا خاص خیال رکھنا چاہئیے۔"[3]

سوال :۔ کیا جمعہ کے روز جمعہ کے دوران پانی پینا یا پانی طلب کرنا وغیرہ جائز ہے؟

جواب :۔ تین باتیں اصولی ہیں :۔

اوّل :۔ یہ کہ خطبہ کے وقت مکمل سکوت اختیار کیا جائے۔ توجہ اور غور سے خطبہ سُنا جائے یہ بات قریب قریب واجب ہے۔

دوسرے :۔ یہ کہ خطیب حتی الوسع سامعین کا خیال رکھے۔ انہیں اس واجب عبادت کی انجام دہی کے لئے زیادہ دیر نہ بٹھائے کہ وہ پریشان حال ہو جائیں۔ اور "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن" کے مصداق بنیں۔

---

[1] :۔ الفضل ۲۴ر جنوری ۱۹۴۲ء و ۱۴ر اکتوبر ۱۹۲۶ء ؛ [2] :۔ مسلم کتاب الجمعہ باب التحیۃ والامام یخطب صفحہ ۳۳۹ ؛
[3] :۔ الفضل مؤرخہ ۲۶/۲۹ر جون ۱۹۲۶ء ؛

تیسرے :- یہ کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا[1] کی رعایت اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہوئی ہے اور خطبہ چونکہ کلام اشارہ اور توجہ کے لحاظ سے بالکل ایسا نہیں جیسی نماز۔ اس لئے حسب ضرورت بامر مجبوری اس میں کوئی بات سمجھانے کے لئے انسان اشارہ کر سکتا ہے امام سے مخاطب ہو سکتا ہے یا امام اُسے مخاطب کر سکتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے۔ خطبہ ہو رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور اُس نے زور زور سے کہنا شروع کیا "یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلَکَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِیَالُ فَادْعُ اللّٰہَ لَنَا فَرَفَعَ یَدَیْہِ وَمَا نَرٰی فِی السَّمَاءِ قَزَعَۃً فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا وَضَعَہَا حَتّٰی ثَارَ السَّحَابُ اَمْثَالَ الْجِبَالِ ثُمَّ لَمْ یَنْزِلْ مِنْ مِنْبَرِہٖ حَتّٰی رَاَیْتُ الْمَطَرَ یَتَحَادَرُ عَلٰی لِحْیَتِہٖ فَمُطِرْنَا یَوْمَنَا ذٰلِکَ وَمِنَ الْغَدِ وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ وَالَّذِیْ یَلِیْہِ حَتَّی الْجُمُعَۃِ الْاُخْرٰی فَقَامَ ذٰلِکَ الْاَعْرَابِیُّ اَوْ قَالَ غَیْرُہٗ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ تَھَدَّمَ الْبِنَاءُ وَغَرِقَ الْمَالُ فَادْعُ اللّٰہَ لَنَا فَرَفَعَ یَدَیْہِ فَقَالَ اللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا فَمَا یُشِیْرُ بِیَدِہٖ اِلٰی نَاحِیَۃٍ مِنَ السَّحَابِ اِلَّا انْفَرَجَتْ وَصَارَتِ الْمَدِیْنَۃُ مِثْلَ الْجَوْبَۃِ........[2]

یعنی۔ اے اللہ کے رسول مویشی ہلاک ہو گئے۔ فصلیں تباہ ہو گئیں بارانِ رحمت کے لئے دُعا کیجئے۔ حضور نے خطبہ کی حالت میں ہی اُسی وقت دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور خُدا کے حضور بارانِ رحمت کے لئے دُعا کی۔ پس اس قسم کی احادیث سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ اگر زیادہ گڑبڑ کی صورت نہ ہو اور اشد مجبوری ہو تو انسان پانی پینے کے لئے جا سکتا ہے۔ پنکھا کرنے کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ تاہم مقامی انتظامیہ کو اس قسم کے انتظام کے لئے سوچ بچار کے بعد فیصلہ کرنا چاہیئے تاکہ افراد خود بخود بے لگامی میں ایسا اقدام نہ کریں۔

سوال :- اگر مقتدی کو جمعہ کی نماز میں صرف التحیات کا حصہ ملے تو کیا وہ بعد سلام امام نماز ظہر ادا کرے یا دو رکعت پڑھے؟

جواب : خطبہ جمعہ کا سُننا اور جمعہ کی پوری نماز باجماعت ادا کرنا ہی اصل جمعہ ہے۔ جو شخص سُستی کرتا ہے اور آخری وقت میں جبکہ امام تشہد میں بیٹھا ہے آکر شامل ہوتا ہے وہ بہت بڑی بھلائی

---

[1]:- سورہ بقرہ : ۲۸۷ ۔ [2]:- بخاری باب الاستسقاء فی الجمعۃ ص ۱۲۷ ۔

سے محروم ہے اور اس نے اپنے لئے خسرانِ مبین کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا۔ تاہم چونکہ وہ امام کے ساتھ شامل ہو گیا ہے اس لئے امام کی نیت کے مطابق اُسے دو رکعت ہی پڑھنی چاہئیں۔ نہ کہ ظہر کی چار رکعت[1]

جمعہ اور عید کا اجتماع

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جب جمعہ اور عید جمع ہو جائیں تو اجازت ہے کہ جو لوگ چاہیں جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز ادا کر لیں۔ مگر فرمایا ہم تو جمعہ ہی پڑھیں گے[2]

کل بھی میرے پاس ایک مفتی صاحب کا فتویٰ آیا تھا کہ بعض دوست کہتے ہیں کہ اگر جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز ہو جائے تو قربانیوں میں ہم کو سہولت ہو جائے گی اور انہوں نے اس قسم کی حدیثیں لکھ کر ساتھ ہی بھجوا دی تھیں۔ مَیں نے ان کو یہی جواب دیا تھا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ جمعہ اور عید جب جمع ہو جائیں تو جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز پڑھنے کی اجازت ہے مگر ہم تو وہی کریں گے جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اگر کوئی جمعہ کی بجائے ظہر پڑھنا چاہے تو اسے اجازت ہے مگر ہم تو جمعہ ہی پڑھیں گے۔ مَیں بھی یہی کہتا ہوں کہ جو شخص چاہے آج جمعہ کی بجائے ظہر پڑھ لے مگر جو ظہر پڑھنا چاہتا ہے وہ مجھے کیوں مجبور کرتا ہے کہ مَیں بھی جمعہ نہ پڑھوں۔ مَیں تو وہی کروں گا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ کہ جمعہ ہی پڑھیں گے۔

ہمارا رب کیسا سخی ہے کہ اس نے ہمیں دو دو عیدیں دیں۔ یعنی جمعہ بھی آیا اور عید الاضحیٰ بھی آئی۔ اور اس طرح دو عیدیں خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے جمع کر دیں۔ اب جس کو دو دو چُپڑی ہُوئی چپاتیاں ملیں وہ ایک کو رد کیوں کرے گا۔ وہ تو دونوں لے گا۔ سوائے اس کے کہ اسے کوئی خاص مجبوری پیش آ جائے اور اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے کہ اگر کوئی مجبُور ہو کر ظہر کی نماز پڑھ لے جمعہ نہ پڑھے تو دوسرے کو نہیں چاہیئے کہ اس پر طعن کرے اور اگر بعض لوگ ایسے ہوں جنہیں دونوں نمازیں ادا کرنے کی توفیق ہو تو دوسرے کو نہیں چاہیئے کہ ان پر اعتراض کرے اور کہے کہ انہوں نے رخصت سے فائدہ نہ اٹھایا۔"[3]

---

[1]: الحنفیۃ قالوا من ادرک الامام فی ای جزء من صلاتہ فقد ادرک الجمعۃ ولو فی تشھد سجود السھو۔ کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعہ ص۲۰۳ ج۱

[2]: "قال اجتمع عیدان فی یومکم ھذا فمن شاء اجزاہ من الجمعۃ وانا مجتمعون ان شاء اللہ" ابن ماجہ باب اذا اجتمع العیدان فی یوم۔ ص۹۳

[3]: الفضل ۱۵ مارچ ۱۹۳۸ء، ۱۵ فروری ۱۹۳۹ء

۲ - اگر عید اور جمعہ اکٹھے ہو جائیں تو یہ جائز ہے کہ جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز پڑھ لی جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ عید اور جمعہ دونوں پڑھ لئے جائیں۔ کیونکہ ہماری شریعت نے ہر امر میں سہولت کو مدّنظر رکھا ہے۔ چونکہ عام نمازیں اپنے محلوں میں ہوتی ہیں لیکن جمعہ کی نماز میں سارے شہر کے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔ اسی طرح عید کی نماز میں بھی سب لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔ اور ایک دن میں دو ایسے اجتماع جن میں دُور دُور سے لوگ آکر شامل ہوں مشکلات پیدا کر سکتے ہیں۔ اس لئے شریعت نے اجازت دی ہے کہ اگر لوگ برداشت نہ کر سکیں تو جمعہ کی بجائے ظہر پڑھ لیں۔ بہرحال اصل غرض شریعت کی یہ ہے کہ مسلمان اپنی زندگی میں زیادہ سے زیادہ عرصہ کیلئے اکٹھے بیٹھ سکیں کیونکہ اسلام صرف دل کی صفائی کے لئے نہیں آیا۔ اسلام قومی ترقی اور معاشرت کے ارتقاء کے لئے بھی آیا ہے اور قوم اور معاشرت کا پتہ بغیر اجتماع میں شامل ہونے کے نہیں لگ سکتا"۔ ؎۱

۳ - ایسا بھی جائز ہے کہ اگر جمعہ اور عید ایک روز جمع ہو جائیں تو عید کی نماز کے بعد نہ جمعہ پڑھا جائے اور نہ ظہر بلکہ عصر کے وقت میں عصر کی نماز پڑھی جائے۔ چنانچہ عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ ایک بار جمعہ اور عید الفطر دونوں ایک دن میں اکٹھے ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا۔ ایک دن میں دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں ان کو اکٹھا کر کے پڑھا جائے گا۔ چنانچہ آپ نے دونوں کے لئے دو رکعتیں دوپہر سے پہلے پڑھیں۔ اس کے بعد عصر تک کوئی نماز نہ پڑھی۔ یعنی اُس دن صرف نماز عصر ادا کی۔ ؎۲

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار اس روایت کے مطابق عمل کیا اور عید کی نماز کے بعد عصر کی نماز ادا فرمائی۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

قال عطاء اجتمع یوم جمعۃ ویوم فطر علی عھد ابن الزبیر فقال عیدان اجتمعا فی یوم واحد فجمعھما جمیعا فصلاھما رکعتین بکرۃ لم یزد علیھما حتی صلی العصر۔

جمعہ کے بعد احتیاطی نماز

سوال:- بعض لوگ جمعہ کے بعد احتیاطی پڑھتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب:- قرآن شریف کے حکم سے جمعہ کی نماز سب مسلمانوں پر فرض ہے جب جمعہ کی نماز پڑھ لی تو حکم ہے کہ

؎۱:- المصلح ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۲ء ؎۲:- ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب اذا وافق یوم الجمعۃ ویوم العید صـ۱۵۳

جاؤ اب اپنے کاروبار کرو۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ انگریزوں کی سلطنت میں جمعہ کی نماز اور خطبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ بادشاہ مسلمان نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ خود بڑے امن کے ساتھ خطبہ اور نماز جمعہ پڑھتے بھی ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ نہیں ہو سکتا۔ پھر کہتے ہیں کہ احتمال ہے کہ جمعہ ہوا یا نہیں۔ اس واسطے ظہر کی نماز بھی پڑھتے ہیں اور اس کا نام احتیاطی رکھا ہے ایسے لوگ ایک شک میں گرفتار ہیں ان کا جمعہ بھی شک میں گیا اور ظہر بھی شک میں گئی نہ یہ حاصل ہوا نہ وہ۔ اصل بات یہ ہے کہ نماز جمعہ پڑھو اور احتیاطی کی کوئی ضرورت نہیں[1]

نماز عیدین

ماہ رمضان گذرنے پر یکم شوال کو افطار کرنے اور روزوں کی برکات حاصل کرنے کی توفیق پانے کی خوشی میں عید الفطر اور دسویں ذوالحجہ کو حج کی برکات میسر آنے کی خوشی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یاد میں عید الاضحیہ منائی جاتی ہے۔ نماز عید کا اجتماع ایک رنگ میں مسلمانوں کی ثقافت اور دینی عظمت کا مظہر ہوتا ہے اس لئے اس میں مرد۔ عورت۔ بچے سبھی شامل ہوتے ہیں[2]

عید کے دن نہا[3] کر عمدہ لباس پہنا جائے خوشبو لگائی جائے۔ اچھا کھانا تیار کیا جائے۔ عید الفطر ہو تو عید کی نماز کے لئے جانے سے پیشتر مساکین اور غرباء کے لئے فطرانہ ادا کیا جائے خود بھی کچھ کھا پی کر عید کی نماز کے لئے جائے لیکن اگر قربانیوں کی عید ہو تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد واپس آکر کھانا زیادہ بہتر ہے[4]۔ اسی طرح عید کی نماز کے لئے آنے اور جانے کا راستہ مختلف ہو تو یہ مستحب ہے اور زیادہ ثواب کا موجب ہے[5]

دونوں عیدوں پر عید کی دو رکعت نماز کسی کھلے میدان یا عید گاہ میں زوال سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ حسب ضرورت عید کی نماز جامع مسجد میں بھی ادا کی جا سکتی ہے۔

عید کی نماز باجماعت ہی پڑھی جا سکتی ہے۔ اکیلے جائز نہیں۔ نماز عید کی پہلی رکعت میں ثناء

---

[1]:۔ الحکم ۱۰ اگست ۱۹۰۱ء۔ فتاویٰ مسیح موعود ص۱۲۱ ٭ [2]:۔ ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب خروج النساء فی العیدین ص۱ ٭

[3]:۔ ابن ماجہ باب ماجا الاغتسال فی العیدین ص۹۳ ٭

[4]:۔ ترمذی باب فی الاکل یوم الفطر قبل الخروج ابواب العیدین ص۱ ٭

[5]:۔ ترمذی ابواب العیدین باب فی خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی العید فی طریق الخ ص۱ ٭

کے بعد اور تعوذ سے پہلے امام سات تکبیریں بلند آواز سے کہے اور مقتدی آہستہ آواز سے یہ تکبیرات کہیں۔ امام اور مقتدی دونوں تکبیرات کہتے ہوئے ہاتھ کانوں تک اٹھائیں اور کھلے چھوڑ دیں[۱] تکبیرات کے بعد امام اعوذ اور بسم اللہ پڑھے۔ اس کے بعد سورۃ فاتحہ اور قرآن کریم کا کوئی حصہ بالجہر پڑھ کر پہلی رکعت مکمل کرے۔ پھر دوسری رکعت کے لئے اٹھتے ہی پانچ تکبیریں پہلی تکبیرات کی طرح کہے اور پھر یہ رکعت مکمل ہونے پر تشہد۔ درود شریف اور مسنون دعاؤں کے بعد سلام پھیرے۔ اس کے بعد امام خطبہ پڑھے۔ جمعہ کی طرح عید کے بھی ۲ دو خطبے[۲] ہوتے ہیں۔ اگر عید کی نماز پہلے دن زوال سے پہلے نہ پڑھی جا سکے تو عید الفطر دوسرے دن اور عید الاضحیہ تیسرے دن تک زوال سے پہلے پڑھی جا سکتی ہے[۳]

دونوں عیدوں کی نماز ایک جیسی ہے فرق صرف یہ ہے کہ بڑی عید کی نماز ختم ہونے کے بعد امام اور مقتدی کم از کم تین بار بلند آواز سے تکبیرات کہیں۔ اسی طرح نویں ذوالحجہ کی فجر سے تیرہویں[۴] کی عصر تک باجماعت فرض نماز کے بعد باآواز بلند ہی تکبیرات کہی جائیں۔ یہ تکبیرات مندرجہ ذیل ہیں:-

اَللّٰہُ اَکْبَرُ - اَللّٰہُ اَکْبَرُ - لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ - وَاللّٰہُ اَکْبَرُ - اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ -

یعنی اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہی سب تعریفیں ہیں۔

---

۱ :- روایت ہے کہ :- "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یکبر فی العیدین فی الاولیٰ سبعًا قبل القراءۃ وفی الآخرۃ خمسًا قبل القراءۃ -

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے۔ (ترمذی صـ۷۰ ، ابن ماجہ باب کم یکبر الامام فی صلوٰۃ العیدین صـ۹۱) -

۲ :- ابن ماجہ باب ماجاء فی الخطبۃ فی العیدین صـ۹۱ -

۳ :- ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب اذا لم یخرج الامام للعید من یومہ - الخ صـ۱۶۳

۴ :- الف - عن علی أنہ کان یکبر بعد صلوٰۃ الفجر یوم عرفۃ الی صلوٰۃ العصر من آخر ایام التشریق ویکبر بعد العصر - رواہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ - واخرجہ الحاکم فی المستدرک صـ۲۹۹ ، نصب الرایہ صـ۲۲۲

ب - ایام التشریق - ھی الحادی عشر والثانی عشر والثالث عشر من ذی الحجۃ عامۃ شرح وقایہ صـ۲۴۵

نوٹ :۔ عیدالاضحیہ کی نماز کے لئے آتے ہوئے اور واپس جاتے ہوئے بھی یہ تکبیرات بلند آواز سے کہنا مسنون ہے[1]

نمازِ عید

سوال :۔ کیا عید کی نماز ضروری ہے ؟

جواب :۔ عید کی نماز سنّت مؤکدہ ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عید کے لئے عام لوگوں کے علاوہ عورتیں اور بچے بھی آئیں۔ البتہ حائضہ عورتیں نماز میں شامل نہ ہوں وہ الگ بیٹھ کر تکبیر و تحمید میں مشغول رہیں۔

عید کی نماز باجماعت ہی ہو سکتی ہے یہ اکیلے جائز نہیں۔ تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء پڑھ کر پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہی جائیں۔ امام بلند آواز سے یہ تکبیریں کہے اور مقتدی آہستہ آہستہ ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ کانوں تک بلند کر کے سیدھے چھوڑ دیئے جائیں باندھے نہ جائیں۔ جب امام قرأت شروع کرلے تو پھر ہاتھ باندھ لئے جائیں۔ دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے اسی طرح پانچ تکبیریں کہی جائیں۔ اگر امام یہ تکبیریں نہ کہے اور بھول جائے تو اس غلطی کے تدارک کے لئے سجدہ سہو کرنا ضروری ہوگا۔ عید کی نماز کا وقت صبح اندازاً نیزہ برابر سورج نکل آنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور دوپہر یعنی زوال سے قبل تک رہتا ہے۔ تاہم جلد نماز پڑھنا زیادہ ثواب کا موجب ہے۔

سوال :۔ تکبیرات عیدین کتنی ہیں۔ جماعتی مسلک کیا ہے ؟

جواب :۔ جماعتِ احمدیّہ کا مسلک جو تواتر عملی کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی ہے کہ پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قرأت سے پہلے کہی جاویں۔ ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ کانوں تک اُٹھائے جائیں اور پھر کھلے چھوڑ دیئے جائیں۔ ساتویں یا پانچویں تکبیر کے بعد سینہ پر ہاتھ باندھے جائیں اس کے بعد تعوّذ اور بسم اللہ کے ساتھ قرأۃ شروع کی جائے۔

اس بارہ میں صحابہ کرامؓ کا عمل اور ان کے اقوال سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کا طریق عمل یہ تھا کہ پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قرأت سے پہلے کہا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پہلی رکعت میں تین تکبیریں قرأۃ سے پہلے اور دوسری رکعت میں

---

[1] :۔ عن ابن عمر انہ کان اذ غدا یوم الفطر و یوم الاضحی یجھر بالتکبیر حتی یأتی المصلی (دار قطنی صفحہ ۱۸۰، بیہقی صفحہ ۲۷۹ ج ۳)

تین تکبیریں قرأۃ کے بعد اور رکوع سے پہلے کہتے تھے۔

اس سلسلہ میں یہ امر مدّ نظر رکھنا چاہیئے کہ صحابہ کرامؓ کے اس قسم کے عمل کے متعلق اصول یہ ہے کہ صحابہؓ کے یہ اعمال ان کی ذاتی رائے کی بناء پر نہیں بلکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل یا حضور کے کسی ارشاد سے یہ امر اخذ کیا ہے۔ بہرحال جماعت احمدیّہ کا مسلک حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے مطابق ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کسی احمدی نے دوسری رکعت میں سہواً یا کسی اور وجہ سے قرأۃ کے بعد تکبیریں کہی ہیں تو یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ اس کا عمل اسلامی روایات کے خلاف اور ناجائز ہے۔ البتہ اس طریق کو دستور العمل نہیں بنانا چاہیئے کیونکہ ایسا کرنا عبادات میں جماعت کی عملی یکجہتی کے خلاف ہے۔

سوال:۔ نمازِ عید کی تکبیروں کا ثبوت کیا ہے؟

جواب:۔ کسی مسئلہ کا ثبوت دو طرح سے ہوتا ہے یا تو قرآن کریم میں اس کا ذکر ہو یا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی وضاحت کی گئی ہو۔ چنانچہ عیدین کی تکبیرات کی تعداد کا ثبوت قرآن کریم سے اجمالاً اور حدیث رسولؐ سے تفصیلاً ہمیں ملتا ہے۔ ترمذی و ابن ماجہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قرأت سے پہلے کہا کرتے تھے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي الْعِيدَيْنِ فِي الْأَوَّلِ سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَفِي الْآخِرَةِ خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ۔ [۱]

سوال:۔ عید کی نماز کے بعد امام ایک خطبہ پڑھے یا جمعہ کی طرح دو خطبے۔ خطبہ کے بعد دُعا کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

جواب:۔ عیدین میں بھی اسی طرح دو خطبے پڑھنے چاہئیں جس طرح جمعہ میں دو خطبے ہوتے ہیں۔ حدیث سے ایسا ہی ثابت [۲] ہے۔

ایک اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

---

[۱]:۔ ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب التکبیر فی العیدین ص۷۰ جلد اوّل، ابنِ ماجہ باب ماجاء فی کم یکبر الامام فی صلوٰۃ العیدین ص۹۱۔ [۲]:۔ عن جابر قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم فطر او اضحی فخطب قائما ثم قعد قعدۃ ثم قام (ابن ماجہ باب فی الخطبۃ فی العیدین ص۹۱)۔

عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَلسُّنَّةُ اَنْ يَخْطُبَ الْاِمَامُ فِي الْعِيْدَيْنِ خُطْبَتَيْنِ يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِجُلُوْسٍ۔ رواه الشافعي۔ [1]

دوسرے خطبہ کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا ضروری نہیں یعنی یہ جزو خطبہ نہیں تاہم اگر کوئی اس طرح ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگے تو یہ جائز ہے اور مرکز میں اس کے مطابق عمل ہے۔ لیکن اس کا التزام حدیث اور سنّت سے ثابت نہیں اس لئے دوسرے خطبہ کے بعد اگر کسی جگہ ہاتھ اُٹھا کر دُعا نہ مانگی جائے تو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیئے۔

قربانی کے مسائل

قربانی صاحبِ استطاعت کے لئے سنّتِ[2] مؤکدہ اور واجب ہے اور اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ قربانی دینے والا اشارہ کی زبان میں اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ جس طرح یہ جانور جو مجھ سے ادنیٰ ہے میرے لئے قربان ہو رہا ہے۔ اسی طرح اگر مجھ سے اعلیٰ چیزوں کے لئے میری جان کی قربانی کی ضرورت پڑے گی تو میں اُسے بخوشی قربان کر دوں گا۔ غرض قربانی ایک تصویری زبان ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ جانور ذبح کرنے والا اپنے نفس کی قربانی پیش کرنے کے لئے تیار ہے۔

قربانی کے لئے اُونٹ، گائے، بکری، بھیڑ، دنبہ۔ ان میں سے کوئی سا جانور ذبح کیا جا سکتا ہے اُونٹ اور گائے سات آدمیوں کی طرف سے اور بھیڑ بکری وغیرہ ایک آدمی کی طرف سے کافی ہے اور انسان قربانی کی نیّت میں اپنے کنبہ کو بھی شامل کر سکتا ہے[3]

اونٹ تین سال۔ گائے دو سال اور بھیڑ بکری وغیرہ ایک سال کی کم از کم ہونی چاہیئے۔ دُنبہ اگر موٹا تازہ ہو تو چھ ماہ کا بھی جائز ہے۔ قربانی کا جانور کمزور اور عیب دار نہیں ہونا چاہیئے۔ لنگڑا۔ کان کٹا۔ سینگ ٹوٹا اور کانا جانور جائز نہیں۔ اسی طرح بیمار اور لاغر کی قربانی بھی درست نہیں[4]

---

[1]:۔ نیل الاوطار باب خطبۃ العید واحکامہا صفحہ ۳۰۵ ج ۳

[2]:۔ عن ابن سیرین قال سألت ابن عمر عن الضحایا أواجبۃ ھی قال ضحی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم والمسلمون من بعدہ وجرت بہ السنۃ (ابن ماجہ صفحہ ۲۲۶) و [3]:۔ ترمذی ابواب الاضاحی باب فی الاشتراک فی الاضحیہ صفحہ ۱۸۱، ابن ماجہ صفحہ ۲۲۶ باب من ضحی بشاۃ عن اھلہ [4]:۔ جامع ترمذی باب مالا یجوز من الاضاحی صفحہ ۲۷۵ ج ۱

قربانی کا وقت دس¹⁰ ذی الحجہ کو عید کی نماز کے بعد سے لے کر بارہ¹² ذی الحجہ کو سورج کے غروب ہونے سے پہلے تک رہتا ہے۔ قربانی کا گوشت صدقہ نہیں۔ انسان خود بھی کھا سکتا ہے اور دوستوں کو بھی کھلا سکتا ہے۔ غریبوں کو بھی اس میں سے کھلانا چاہیئے[1]۔ بہتر ہے کہ تین حصے کرے۔ ایک حصہ خود رکھے۔ ایک رشتہ داروں میں تقسیم کرے اور ایک حصہ غریبوں میں تقسیم کرے۔

عقیقہ

بچہ کی پیدائش پر ساتویں روز سر کے بال اتروانا اور ان بالوں کے برابر چاندی یا سونا بطور صدقہ دینا نام رکھنا اور عقیقہ کرنا مسنون[2] ہے۔ حدیث میں اس کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ عقیقہ سے مراد جانور کا ذبح کرنا ہے۔ "لڑکے کی صورت میں دو بکرے یا دُنبے اور لڑکی کی صورت میں ایک بکرا یا دُنبہ[3] وغیرہ ذبح کرنا چاہیئے۔ جانور اچھی عمر کا موٹا تازہ ہو گو اس کے لئے عمر کی وہ شرط لازمی نہیں جو قربانی کے جانور کیلئے ہے۔

عقیقہ کا گوشت انسان خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسرے دوست احباب اور رشتہ داروں کو بھی دے سکتا ہے۔ پکا کر دعوت بھی کر سکتا ہے۔ غریبوں کو بھی اس میں سے حصّہ دینا چاہیئے۔ اگر بامر مجبوری دو جانور ذبح نہ کر سکے تو ایک پر بھی کفایت کر سکتا ہے۔

نمازیں جمع کرنا

بیماری، سفر، بارش، طوفان بادوباراں، سخت کیچڑ، سخت اندھیرے میں جبکہ مسجد میں بار بار آنے جانے کی دقّت کا سامنا ہو۔ اسی طرح کسی اہم دینی اجتماعی کام کی صورت میں ظہر و عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کیا جا سکتا ہے۔ جماعت سے بھی اور اکیلے بھی۔ جمع تقدیم یعنی ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر اور جمع تاخیر یعنی عصر کے وقت میں ظہر اور عصر دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اسی طرح مغرب کے وقت میں مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھنا جمع تقدیم ہے اور عشاء کے وقت میں مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھنا جمع تاخیر ہے[4] نمازیں جمع کرنی ہوں تو ایک آذان کافی ہے البتہ اقامت ہر ایک نماز کے لئے الگ الگ ہوگی۔

---

[1] :۔ ترمذی باب کراھیۃ اکل الاضحیۃ فوق ثلثۃ ایام ص۱۸۲ ؛ [2] :۔ ابن ماجہ باب العقیقہ ص۲۲۸ ؛

[3] :۔ ابن ماجہ باب العقیقہ ص۲۲۸ ؛

[4] :۔ ترمذی باب فی التطوع فی السفر ص۷۲ ؛

باجماعت نمازیں جمع کرنے کی صورت میں اگر امام پہلی نماز پڑھانے کے بعد دوسری نماز پڑھا رہا ہو تو جو شخص بعد میں مسجد میں آئے اگر اسے معلوم ہو جائے کہ امام کونسی نماز پڑھا رہا ہے تو پھر وہ پہلے اس نماز کو ادا کرے جو امام پڑھا چکا ہے۔ اس کے بعد امام کے ساتھ شامل ہو لیکن اگر اسے معلوم نہیں ہو سکا کہ کونسی نماز ہو رہی ہے اور وہ یہ سمجھ کر شامل ہو جاتا ہے کہ امام کی یہ پہلی نماز ہے تو امام کی نیت کے مطابق اس کی نماز ہو جائے گی اور پھر بعد میں وہ پہلی نماز پڑھ لے۔ بہر حال علم ہو جانے کی صورت میں نمازوں کی ترتیب کو قائم رکھنا ضروری ہے خواہ جماعت ملے یا نہ ملے۔ ؎۱

سوال :۔ اگر کسی شخص کی نماز ظہر یا عصر رہ گئی ہو اور امام مغرب کی نماز پڑھا رہا ہو تو اس کو کونسی نماز پڑھنی چاہیئے۔ جماعتی مسلک کیا ہے۔

جواب :۔ صورت مذکور کے مطابق بعد میں آنے والے کو اگر یاد ہے کہ اس کی ظہر یا عصر کی نماز رہ گئی ہے یا نماز جمع کی صورت میں اُسے علم ہے کہ امام فلاں نماز پڑھا رہا ہے تو اُسے چاہیئے کہ پہلے وہ نماز پڑھے جو اس کی رہ گئی ہے کیونکہ اصولاً نمازوں میں ترتیب کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ خواہ اس صورت میں وہ نماز باجماعت میں شامل نہ ہو سکے۔ البتہ اگر اُسے یاد نہیں کہ اس کی ظہر یا عصر کی نماز رہ گئی ہے یا علم نہیں کہ کونسی نماز ہو رہی ہے اور وہ شامل ہو جاتا ہے تو جو نماز امام کی ہے وہی اس کی ہو جائے گی اور رہی ہوئی نماز وہ بعد میں پڑھ لے کیونکہ بھول اور سہو معاف ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :۔

”میں نے خود حضرت مسیح موعود علیہ السّلام سے سُنا ہے کہ اگر امام عصر کی نماز پڑھ رہا ہو اور ایک شخص مسجد میں آئے جس نے ابھی ظہر کی نماز پڑھنی ہو۔ یا عشاء کی نماز ہو رہی ہو اور ایک شخص مسجد میں آجائے جس نے ابھی مغرب کی نماز پڑھنی ہو اُسے چاہیئے کہ وہ پہلے ظہر کی نماز علیحدہ پڑھے اور پھر امام کے ساتھ شامل ہو یا مغرب کی نماز پہلے علیحدہ پڑھے اور پھر امام کے ساتھ شامل ہو۔ جمع بین الصلوٰتین کی صورت میں بھی اگر کوئی شخص بعد میں مسجد میں آتا ہے جبکہ نماز ہو رہی ہو تو اس کے متعلق بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہی فتویٰ ہے کہ اگر اُسے پتہ لگ جاتا ہے کہ امام عصر کی نماز پڑھ رہا ہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ پہلے ظہر کی نماز علیحدہ پڑھے اور پھر امام کے ساتھ شامل ہو۔ اسی طرح اگر اُسے پتہ لگ جاتا ہے کہ امام عشاء کی نماز پڑھ رہا ہے تو وہ پہلے مغرب کی نماز علیحدہ پڑھے اور پھر امام کے ساتھ شامل ہو۔ لیکن اگر اُسے معلوم نہ

؎۱ :۔ الفضل ۱۰ رجون ۱۹۳۲ء ، الفضل ۶ ستمبر ۱۹۴۰ء ؛

ہو سکے کہ کونسی نماز پڑھی جا رہی ہے اور وہ جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے۔ ایسی صورت میں جو امام کی نماز ہوگی وہی نماز اس کی ہو جائے گی بعد میں وہ اپنی پہلی نماز پڑھ لے۔ مثلاً اگر عشاء کی نماز ہو رہی ہو اور ایک ایسا شخص مسجد میں آجاتا ہے جس نے ابھی مغرب کی نماز پڑھنی ہے تو اگر اُسے پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ عشاء کی نماز ہے تو وہ مغرب کی نماز پہلے علیحدہ پڑھے اور پھر امام کے ساتھ شامل ہو۔ لیکن اگر اُسے معلوم نہ ہو سکے کہ یہ کونسی نماز ہو رہی ہے تو وہ امام کے ساتھ شامل ہو جائے اس صورت میں اس کی عشاء کی نماز ہو جائے گی۔ مغرب کی نماز وہ بعد میں پڑھ لے۔ یہی صورت عصر کے متعلق ہے۔" [۱]

نمازوں کا جمع کرنا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۳ دسمبر ۱۹۰۱ء میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"دیکھو ہم بھی رخصتوں پر عمل کرتے ہیں نمازوں کو جمع کرتے ہوئے کوئی دو ماہ سے زیادہ ہو گئے ہیں بسبب بیماری کے اور تفسیر سورۃ فاتحہ کے لکھنے میں بہت مصروفیت کے سبب ایسا ہو رہا ہے اور ان نمازوں کے جمع کرنے میں تُجْمَعُ لَهُ الصَّلٰوةُ[۲] کی حدیث بھی پوری ہو رہی ہے کہ مسیح موعود کی خاطر نمازیں جمع کی جائیں گی۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعود نماز کے وقت پیش امام نہ ہوگا بلکہ کوئی اور ہوگا اور وہ پیش امام مسیح کی خاطر نمازیں جمع کرائے گا۔" [۳]

سوال:۔ کن حالات میں نماز جمع ہو سکتی ہے؟

جواب:۔ سخت خطرہ ہو۔ سفر ہو۔ بارش ہو۔ بیماری ہو۔ سخت سردی ہو۔ کیچڑ اور سخت اندھیرا ہو کوئی اہم دینی اجتماع ہو یا اسی قسم کی کوئی اور اہم دینی مصروفیت ہو۔ جس کی وجہ سے نمازیوں کو دوبارہ جمع ہونے میں خاص تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہو۔

یہ فیصلہ کرنا کہ آیا ان حالات میں سے کوئی حالت ایسی ہے کہ نمازیں جمع کر لی جائیں دراصل امام اور مقتدیوں کی رائے پر منحصر ہے۔ اگر مقتدیوں کی اکثریت صورت حال کے اس اقتضاء کو مانتی ہو تو امام کو ان کی رائے کا احترام کرنا چاہیئے۔ اسی طرح اگر امام کی رائے ہو اور وہ نماز شروع کر دے تو مقتدیوں کو اس کی اقتداء کرنی چاہیئے۔

---

[۱]:۔ الفضل ۲۷ رجون ۱۹۴۸ء ٭ [۲]:۔ مسند احمد ص ۲۹۰ ج ۲ ٭ [۳]:۔ فتاویٰ مسیح موعود ص ۴۶ ٭

بہر حال جب نمازیں جمع کرنے کا فیصلہ ہو جائے تو پھر سب مقتدیوں کو اس کی پابندی کرنی چاہیئے۔ کسی فردِ واحد کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ عملی اختلاف کرے اور ساتھ نماز نہ پڑھے ہاں نرمی اور دلیل کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے کہ اس کے نزدیک یہ فیصلہ درست نہیں۔ بہرحال یہ فیصلہ کرنا کہ آیا حالت ایسی ہے کہ نماز جمع کی جائے یا نہ کی جائے اس کا تعلق دراصل انہی لوگوں سے ہے جن کو اس صورت حال سے واسطہ پڑا ہے۔ ان کی رائے ہی فیصلہ کن ہوگی۔

سوال :۔ نماز کے وقت سخت گھرے بادل ہوں اور بارش ہونے کا کافی امکان ہو تو کیا ظہر اور عصر یا مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کی جا سکتی ہیں؟

جواب :۔ جمع نماز کی اصل بُنیاد حرج سے بچنا ہے۔ اگر امام الصلوٰۃ اور اس کے ساتھ نمازیوں کی اکثریت کی یہی رائے ہو کہ آسمان کی حالت کے پیش نظر نمازیں جمع کر لینی چاہئیں تو ایسا کرنا جائز ہے غرض اس بارہ میں مناسب فیصلہ موجود لوگوں کی اکثریت بشمول امام کر سکتی ہے۔ اور جب یہ فیصلہ ہو جائے تو پھر کسی فردِ واحد کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ نمازیں تخلف کرے خواہ اس کی رائے میں یہ فیصلہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔

سوال :۔ کیا سردی کی وجہ سے نماز جمع ہو سکتی ہے جبکہ کوئی بارش نہ ہو رہی ہو اور نہ ہی بارش کے آثار ہوں؟

جواب :۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں بارش اور مرض کے بغیر نمازیں جمع کرائیں[1]۔ حضرت ابن عباسؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں اُن سے پوچھا گیا کہ آخر اس کی وجہ کیا تھی تو آپ نے جواب دیا۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ حرج سے بچ جائیں اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ بارش اور مرض کے علاوہ بھی بعض اور مشکلات یا دینی مصروفیات نماز جمع کرنے کا موجب بن سکتی ہیں اسی پر ہم شدید سردی کو بھی قیاس کر سکتے ہیں لیکن کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ اس بہانے سے لوگوں میں نماز جمع کرنے کی عام عادت جڑ نہ پکڑ سکے اور ضرورت کو ضرورت اور مجبوری پر ہی محمول سمجھا جائے۔

سوال :۔ جلسہ سالانہ پر نمازیں جمع کیوں کی جاتی ہیں؟

جواب :۔ حدیث شریف میں اس قسم کے مواقع پر نماز جمع کرنے کی اجازت موجود ہے۔ حج کے موقع پر اور سفر کے دَوران نماز جمع کرنے کی اجازت متعدد حدیثوں سے ثابت ہے بلکہ بعض اوقات خود مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں جمع کر کے پڑھائیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل روایت قابل غور ہے:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی بِالْمَدِیْنَۃِ سَبْعًا وَّ ثَمَانِیًا اَلظُّهْرَ وَ الْعَصْرَ وَ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ ۔ جَمَعَ بَیْنَ الظُّهْرِ وَ الْعَصْرِ وَبَیْنَ الْمَغْرِبِ وَ الْعِشَاءِ بِالْمَدِیْنَۃِ مِنْ غَیْرِ خَوْفٍ

---

1. مسلم باب الجمع بین الصلوٰتین فی الحضر صہ۲۴

وَلَا مَطَرٍ۔ قِيْلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا اَرَادَ بِذٰلِكَ قَالَ اَرَادَ اَنْ لَّا يُحْرِجَ اُمَّتَهٗ۔ [1]

سوال:۔ ایک شخص کی ڈیوٹی ارد گرد کے مقامات پر دَورہ کرنے کی لگی ہوئی ہے جو کہ سَو میل سے زیادہ ہے اس طرح سے اکثر نمازیں بھی جمع کرنی پڑتی ہیں۔ نیز باہر رہتے ہوئے وہ جمعہ بھی نہیں پڑھ سکتا۔ اگر نمازِ جمعہ ادا کرنے کی غرض سے ڈیوٹی سے غیر حاضر ہو جائے تو کیا اس میں شرعاً کوئی حرج تو نہیں۔ نیز اگر سائیکل پر ہی نماز ادا کرلی جائے تو اس میں شرعاً کوئی حرج ہے؟

جواب:۔ نماز اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کی گئی ہے اور اسے وقت پر پڑھنا چاہیئے۔ اگر کوئی مجبوری ہے مثلاً بیمار ہے یا مسافر ہے یا ایسی ڈیوٹی پر ہے کہ افسر نماز کے اوقات میں چھٹی نہیں دیتا تو پھر نمازیں جمع بھی کی جا سکتی ہیں۔

نیز ایسے حالات میں تاخیر سے بھی نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ جمعہ مسافر پر فرض نہیں البتہ اگر اسے موقع مل جائے اور اس کے سفر یا کام میں حرج نہ ہوتا ہو تو جمعہ پڑھے اس میں بہرحال برکت ہے۔

سائیکل پر بغیر اشد مجبوری کے (مثلاً جان کا خطرہ ہو یا غیر معمولی جلدی ہو اور وقت جا رہا ہو) نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اصل چیز اللہ تعالیٰ کا خوف اور تقویٰ ہے اس کے ماتحت انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرے اور اپنے دنیوی فرائض کو بھی ادا کرے۔ ملازمت کے فرائض کو ادا کرنا بھی اسلام کے احکام میں شامل ہے۔

سوال:۔ نمازیں جمع کرنے کی صورت میں سنتیں پڑھنی چاہئیں یا نہیں؟

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے عمل سے ہم نے جو کچھ تواتر سے دیکھا اور پوچھنے والوں کے جواب میں آپ نے ہمیشہ جو کچھ فرمایا ہے وہ یہی ہے کہ نمازیں جمع کرنے کی صورت میں فرضوں سے پہلی سنتیں بھی اور بعد کی سنتیں بھی معاف ہو جاتی ہیں۔

سوال:۔ اگر نمازِ جمعہ کے ساتھ عصر کی نماز جمع کی جائے تو کیا پھر بھی سنّتیں معاف ہیں؟

جواب:۔ نمازِ جمعہ سے قبل جو سنّتیں پڑھی جاتی ہیں وہ دراصل جمعہ کے نفل ہیں اور جمعہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس لئے نمازِ جمعہ سے قبل سنتیں بہرحال پڑھنی چاہئیں۔ [2]

(ب) مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کرنے کی صورت میں صرف وتر پڑھنے چاہئیں باقی سنتیں معاف ہیں۔ ہاں اگر کوئی پڑھ لے تو گناہ بھی نہیں کیونکہ یہ نفل ہی تو ہیں لیکن ظہر اور عصر کو جمع کرنے کی صورت

[1] مسلم باب الجمع بین الصلوٰتین فی الحضر ص ۲۴۱ ٭ [2] الفضل ۲۴ جنوری ۱۹۴۲ء، ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۲ء ٭

میں بعد میں سنن اور نوافل نہیں پڑھنے چاہئیں کیونکہ عصر کے بعد نوافل ناجائز ہیں۔

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق عمل کیا تھا یا آپؐ نے کیا فرمایا ہے۔ اس بارہ میں یہ امر واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں جمع کرنے کی صورت میں سنتیں نہیں پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح آپؐ کا کوئی فرمان بھی نہیں کہ اس صورت میں سنتیں ضرور پڑھی جائیں۔ اس بارہ میں بخاری کی یہ روایت واضح ہے :۔

جَمَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ کُلَّ وَاحِدَۃٍ مِنْھُمَا بِاِقَامَۃٍ وَلَمْ یُسَبِّحْ بَیْنَھُمَا وَلَا عَلٰی اَثَرِ کُلِّ وَاحِدَۃٍ مِنْھُمَا[1]

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے ایام میں مزدلفہ کے مقام پر مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کیں۔ ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ اقامت کہی گئی۔ آپؐ نے سنتیں نہ درمیان میں پڑھیں اور نہ بعد میں۔[2]،[3]

سوال :۔ سفر میں صبح کی دو سنتیں کیوں معاف نہیں ہیں جبکہ دوسری نمازوں کی سنتیں معاف ہیں؟

جواب :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں صبح کی سنتیں پڑھی ہیں۔ اس لئے امت بھی پڑھتی ہے متعلقہ حدیثیں درج ذیل ہیں :۔

(۱) رَکَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی السَّفَرِ رَکْعَتَی الْفَجْرِ۔[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں فجر کی دو رکعت سنت نماز ادا کی۔

(۲) کَانَتْ عَائِشَۃُ رضؓ تَقُوْلُ لَمْ یَدَعِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ صَحِیْحًا وَلَا مَرِیْضًا فِیْ سَفَرٍ وَلَا حَضَرٍ۔[5]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہ آپ تندرست ہوتے یا بیمار۔ سفر میں ہوتے یا مقیم۔ صبح کی دو رکعت سنت نماز پڑھنا کبھی ترک نہیں کیا۔ ورنہ عام دستور آپ کا یہ تھا کہ باقی نمازوں میں آپ بحالتِ سفر سنتیں نہیں پڑھتے تھے۔ چنانچہ

---

[1] :۔ بخاری کتاب الحج باب من جمع بینھما ولم یتطوع ص ۲۲۷/۱ ؛ [2] : ترمذی ابواب الصلوٰۃ السفر ص ۷۱/۱ ؛
[3] :۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب التطوع فی السفر ص ۱۷۲/۱ ؛ [4] :۔ بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من تطوع فی السفر ص ۱۴۹/۱ ؛ [5] :۔ کشف الغمہ ص ۲۰۴/۱ ؛

روایت ہے :-

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَتَطَوَّعُ فِی السَّفَرِ قَبْلَ الصَّلٰوۃِ وَلَا بَعْدَھَا۔ [1]

حضرت ابنِ عمرؓ کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں فرضوں سے پہلے اور بعد کوئی سنّت نماز نہیں پڑھتے تھے۔

نمازِ سفر

شروع میں ظہر و عصر اور عشاء کی نمازیں فجر کی طرح دو دو رکعت تھیں لیکن بعد میں سفر کی حالت میں تو یہ دو دو رکعت ہی رہیں لیکن اقامت کی حالت میں دوگنی یعنی چار چار رکعت کر دی گئیں اس تبدیلی کی بناء پر مسافر جس کا کسی جگہ پندرہ دن[2,3] سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو ظہر عصر اور عشاء کی نماز دو دو رکعت پڑھے گا اور مقیم چار چار رکعت پڑھے گا۔ مغرب اور فجر کی رکعتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں :-

فرضت الصلوٰۃ رکعتین فی الحضر والسفر فاقرت صلوٰۃ السفر وزید فی صلوٰۃ الحضر[4]

اگر انسان کسی ایسے عزیز کے گھر میں مقیم ہو جسے وہ اپنا ہی گھر سمجھتا ہے۔ جیسے والدین کا گھر۔ سسرال کا گھر یا مذہبی مرکز مثلاً مکہ۔ مدینہ۔ قادیان۔ ربوہ وغیرہ تو پندرہ دن سے کم قیام کے دوران میں چاہے تو اس رخصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دو رکعت پڑھے اور چاہے تو پوری نماز یعنی چار رکعت پڑھے۔

سفر میں وتر اور فجر کی دو سنتوں کے علاوہ باقی سنتیں معاف ہو جاتی ہیں۔ نفل پڑھے یا نہ پڑھے۔ یہ انسان کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ سفر میں نمازیں جمع کرنا بھی جائز ہے۔

اگر امام مقیم ہو تو مسافر مقتدی اس کی اتباع میں پوری نماز پڑھے گا۔ اور اگر امام مسافر ہو

---

۱ :- ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی التطوع فی السفر ص۷۲ ؛

۲ :- کتاب الآثار باب الصلوٰۃ فی السفر ص۳۴ ؛ ۳ :- ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب کم تقصر الصلوٰۃ ص۷ ؛

۴ :- ابو داؤد باب صلوٰۃ المسافر ص۱۶۹ ؛

تو امام دو رکعت پڑھے گا اور اس کے مقیم مقتدی کھڑے ہو کر بقیہ رکعتیں پوری کر کے سلام پھیریں گے[1]۔ ان بقیہ دو رکعتوں میں وہ صرف سورۃ فاتحہ پڑھیں گے۔

سفر اور قصر

سوال:۔ قصر کا مسئلہ کیا ہے۔ نماز کب قصر کی جاتی ہے؟

جواب:۔ جماعت احمدیہ کے مسلک کے مطابق مسافر کے لئے نماز قصر کرنے کے معنے یہ ہیں کہ وہ چار رکعت فرض نماز کی بجائے دو رکعت نماز پڑھے۔

سفر کسے کہتے ہیں اور اس کی مقدار کتنی ہو اس کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ارشاد ہے:۔

"ایک تو سفر ہوتا ہے اور ایک سیر ہوتی ہے۔ سفر کی نیّت سے اگر تین کوس جانا ہو جیسے لدھیانہ سے پھلور تو نماز قصر کرنی چاہیئے۔ یہی صحابہ کرامؓ کا معمول تھا اور بعض ضعیف پیر فرتوت اور حاملہ عورتیں ہیں ان کے لئے تو کوس بھر ہی سفر ہو جاتا ہے ہاں سیر کے لئے چاہے آٹھ کوس چلا جائے۔ نماز قصر نہیں ہے۔"[2]

ایک اور موقع پر سوال ہوا کہ اگر کوئی تین کوس سفر پر جائے تو کیا نمازوں کو قصر کرے؟ تو حضورؑ نے فرمایا:۔

"ہاں مگر دیکھو اپنی نیّت کو خوب دیکھ لو۔ ایسی تمام باتوں میں تقویٰ کا بہت خیال رکھنا چاہیئے۔ اگر کوئی ہر روز معمولی کاروبار یا سفر کے لئے جاتا ہے تو وہ سفر نہیں بلکہ سفر وہ ہے جسے انسان خصوصیت سے اختیار کرے اور صرف اس کام کے لئے گھر چھوڑ کر جائے اور عرف میں وہ سفر کہلاتا ہے۔"[3]

---

[1]:۔ عن عمران بن حصین قال غزوت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وشہدت معہ الفتح فاقام بمکۃ ثمانی عشرۃ لیلۃ لایصلی الا رکعتین ویقول یا اھل البلد صلوا اربعًا فانا قوم سفر۔ (ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب متیٰ یتم المسافر ص۱۷۳)

ان عمر بن الخطاب کان اذا قدم مکۃ صلی بھم رکعتین ثم یقول یا اھل مکۃ اتموا صلوتکم فانا قوم سفر۔ (موطا مالک ج ص۵۲)؛ [2]:۔ تذکرۃ المہدی ص۱۶۲، فتاویٰ احمدیہ ص۲۰۵؛ [3]:۔ فتاویٰ مسیح موعودؑ ص۴۳؛

ب۔ "عرض کیا گیا حضور بٹالہ جاتے ہیں تو قصر فرماتے ہیں۔ فرمایا۔ ہاں۔ کیونکہ وہ سفر ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی طبیب یا حاکم بطور دَورہ کئی گاؤں پھرتا رہے تو وہ اپنے تمام سفر کو جمع کر کے اُسے سفر نہیں کہہ سکتا۔" لے

ج۔ "جو شخص رات دن دَورہ پر رہتا ہے اور اس بات کا ملازم ہے وہ حالت دَورہ میں مسافر نہیں کہلا سکتا۔ اس کو پوری نماز پڑھنی چاہیئے۔" ٢ے

٣۔ سفر کے دَوران کسی ایک جگہ قیام کتنے دنوں کا ہو تو انسان کو مقیم سمجھا جاسے اور اسے پوری نماز پڑھنی چاہیئے؟

الف:۔ حنفیوں کے نزدیک چودہ دن تک قیام کی نیت حالت سفر کو ختم نہیں کرتی البتہ اگر کسی قابلِ رہائش جگہ میں پندرہ یا اس سے زیادہ دن قیام کی نیت ہو تو اقامت کا حکم ثابت ہوگا اور نماز پوری پڑھنی پڑے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں بیس دن تشریف فرما رہے لیکن آپ نے نماز قصر فرمائی کیونکہ جہاں آپ مقیم تھے وہ کوئی "آبادی" نہ تھی بلکہ ویران علاقہ تھا۔ ٣ے

ب۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کہیں چار دن قیام کرنا ہو تو نماز پوری پڑھی جائے گی گویا تین دن قیام کی صورت میں نماز قصر کی جاسکتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا ارشاد ہے۔ چار دن کا ارادہ اقامت ہو تو مسافر مقیم ہو جاتا ہے۔ ٤ے

مؤطا امام مالکؒ میں ہے۔ من اجمع اقامۃ اربع لیال وھو مسافر اتم الصلوٰۃ ٥ے

ج۔ صحیح رائے یہ ہے کہ تین دن قیام کی نیّت ہو تو نماز قصر کرنی چاہیئے کیونکہ یہ متفق علیہ مدتِ مسافرت ہے۔ اس سے زیادہ چودہ دن تک قیام کی صورت میں اختیار ہے۔ چاہے کوئی قصر کرے چاہے پوری پڑھے گو قصر زیادہ پسندیدہ ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:۔

لے:۔ البدر ۲۳ جنوری ۱۹۰۸ء۔ فتاویٰ مسیح موعود ص۴۲؛ ٢ے:۔ الحکم ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء۔ فتاویٰ مسیح موعود ص۴۵؛

٣ے:۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب اذا اقام بارض العدو یقصر ص۱۷۲ ۔ تحفۃ الفقہاء ص۲۵۶؛

٤ے:۔ فتاویٰ احمدیہ ص۲۰۷؛ ٥ے:۔ باب صلوٰۃ المسافر اذا اجمع مکثاً ص۵۲؛

۱۔ "چونکہ سفر کے کوسوں (سات کوس۔ تین منزل) اور مدت رہائش (تین روز اور چودہ روز) میں بھی اختلاف ہے اس لئے جو قصر کرتے ہیں وہ قصر کریں اور جو نہیں کرتے وہ نہ کریں۔ ایک دوسرے پر اعتراض نہ ہو۔" [1]

۲۔ "اگر کہیں ٹھہرنا ہو اور پندرہ دن سے کم ٹھہرنا ہو تو بھی قصر کریں اور اگر پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنا ہو تو پوری پڑھیں۔" [2]

۳۔ "میں نماز قصر کر کے پڑھاؤں گا۔ اور گو مجھے یہاں آئے چودہ دن ہو گئے ہیں مگر چونکہ علم نہیں کہ کب واپس جانا ہوگا [3] اس لئے میں نماز قصر کر کے ہی پڑھاؤں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک دفعہ گورداسپور میں دو ماہ سے زیادہ عرصہ تک قصر نماز پڑھتے رہے کیونکہ آپ کو پتہ نہیں تھا کہ کب واپس جانا ہوگا۔" [4]

سوال: سفر کی کیا تعریف ہے۔ موجودہ زمانہ میں تو سفر کے لئے ہر قسم کی سہولتیں ہیں؟

جواب: سفر کی حالت میں نماز قصر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے یہ تصریح کہیں نہیں کی کہ فلاں سہولت ہو تو سفر نہیں ہوگا اور فلاں سہولت نہ ہو تو سفر ہوگا۔ اصل برکت اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ہے۔ اپنے پاس سے حجت بازی کرنے اور مسائل گھڑنے میں نہیں ہے۔ قصر کے بارہ میں آیت قرآنی اور حدیث نبوی مع ترجمہ درج ذیل ہے:۔

۱۔ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ۔ [5]

جب تم ملک میں سفر کرو تو تمہیں کوئی گناہ نہیں کہ نماز کو چھوٹا کر دو۔

۲۔ حدیث یہ ہے:۔ كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ فَرَضَ اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ۔ [6]

یعنی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حضر میں چار رکعات اور سفر میں دو دو رکعت نماز فرض کی ہے۔

۱: الفضل ۲۲ اپریل ۱۹۱۵ء ؛ ۲: الفضل ۱۸ مارچ ۱۹۱۶ء ؛ ۳: ہدایہ اولین کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ المسافر ص ۱۲۵ ؛
۴: الفضل ۲۵ مئی ۱۹۴۲ء، الفضل ۱۰ جولائی ۱۹۴۳ء، البدر یکم ستمبر ۱۹۰۴ء، ۲۳ جنوری ۱۹۰۸ء ؛
۵: نساء: ۱۰۲ ؛ ۶: کشف الغمہ ص ۲۸۹ ؛

سفری تاجر کی نماز

سوال :۔ مَیں اور میرے بھائی ہمیشہ تجارت عطریات وغیرہ میں سفر کرتے ہیں۔ نماز ہم دوگانہ پڑھیں یا پُوری؟

جواب :۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا۔ سفر تو وہ ہے جو ضرورتًا گاہے بگاہے ایک شخص کو پیش آوے۔ نہ یہ کہ اس کا پیشہ ہی یہ ہو آج یہاں کل وہاں اپنی تجارت کرتا پھرے۔ یہ تقویٰ کے خلاف ہے کہ ایسا آدمی اپنے آپ کو مسافروں میں شامل کر کے ساری عمر نماز قصر کرنے میں ہی گذار دے۔ [1]

حکام کا دَورہ سفر نہیں

حکام کا دَورہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنے باغ کی سیر کرتا ہے۔ خواہ نخواہ قصر کرنے کا تو کوئی وجود نہیں۔ اگر دَوروں کی وجہ سے انسان قصر کرنے لگے تو پھر یہ دائمی قصر ہوگا۔ جس کا کوئی ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے۔ حکام کہاں مسافر کہلا سکتے ہیں۔ سعدی نے بھی کہا ہے ؎

مُنعِم بکوہُ و دَشتُ و بیابان غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زدُو خوابگاہ ساخت [2]

سوال :۔ مبلغین نے پوچھا کہ ہم سفر میں رہتے ہیں روزہ افطار اور نماز قصر کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب :۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا: "سفر چھوٹا کر دو۔ روزے برابر رکھو۔ یہ آپ لوگوں کا فرض منصبی ہے اس لئے آپ سفر پر نہیں سمجھے جا سکتے۔" [3]

سوال :۔ داماد اپنے سُسرال جا کر پُوری نماز پڑھے یا دوگانہ؟

جواب :۔ سُسرال کا گھر بھی پردیس اور سفر کے حکم میں ہے۔ وہاں قصر نماز ہی پڑھنی چاہیئے۔ سوائے اس کے کہ وہاں اس کی اپنی جائیداد ہو اور وہ اسے اپنے گھر کی طرح سمجھتا ہو۔ اس صورت میں اسے مقیم سمجھا جائے گا۔

---

[1] :۔ بدر ۲۸ مارچ ۱۹۰۷ء ؛
[2] :۔ الحکم ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء، فتاویٰ مسیح موعود صفحہ ۴۵ ؛
[3] :۔ الفضل ۱۶ جولائی ۱۹۱۴ء ؛

سوال :- اگر مسافر امام کے ساتھ نماز میں اس وقت شامل ہو جب کہ امام پہلی دو رکعتیں پڑھ چکا ہو تو کیا مسافر اپنی دو رکعت پڑھ کر امام کے ساتھ ہی سلام پھیر دے یا چار پڑھے؟

جواب :- جب مسافر مقیم امام کے ساتھ شامل ہو تو اس کو چاروں رکعتیں ہی پڑھنی چاہئیں [1]

سوال :- سفر میں نماز قصر کرنا ضروری ہے یا اختیاری۔ اسی طرح سفر میں نمازوں کا جمع کرنا ضروری ہے یا اختیاری؟

جواب :- سفر میں نماز قصر کرنا ضروری ہے۔ جماعت احمدیہ کا مسلک یہی ہے۔ کیونکہ خدا نے اپنی رحمت سے یہ ایک رعایت دی ہے اس لئے اس نعمت کی قدر کرنی چاہیئے۔ کیونکہ شکر نعمت واجب ہے نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے عام صحابہ کرامؓ اس کا التزام فرمایا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر کی اصل نماز ہی دو رکعت ہے صرف اقامت کی صورت میں دو رکعتوں کا اس پر اضافہ کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ:

"اَلصَّلٰوۃُ اَوَّلُ مَا فُرِضَتْ رَکْعَتَانِ فَاُقِرَّتْ صَلٰوۃُ السَّفَرِ وَ اُتِمَّتْ صَلٰوۃُ الْحَضَرِ" [2]

پس جو اصل ہے اسے ترک کرنا درست نہیں۔

(۲) جمع کی بنیاد ضرورت پر ہے اس لئے یہ ایک اختیاری رعایت ہے یعنی اگر ضرورت اور مجبوری ہو تو جمع کرلے ورنہ الگ الگ وقت پر پڑھے۔ کیونکہ اس میں اصل یہ ہے کہ ہر نماز اپنے اپنے وقت پر پڑھی جائے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا طریق عمل نویں ذی الحجہ کی نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کے علاوہ باقی ایام کی نمازوں میں جمع سے متعلق اختیاری امر کی وضاحت کرتا ہے اور یہی سنت مسلمانوں میں رائج ہے۔

نماز خوف

حالت خوف مثلاً محاذ جنگ میں نماز قصر کرنے کی اجازت ہے۔ قصر کے معنے ہیں چھوٹا کرنا۔ چنانچہ خوف کی حالت میں نماز مختصر ہو جاتی ہے۔ اس کی مختلف طریقے قرآن کریم اور احادیث میں بیان ہوئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ میدان جنگ میں اگر زور کی لڑائی ہو رہی ہو یا دشمن کے حملے کا ڈر ہو یا فوج مورچہ بند ہو تو ان سب صورتوں میں حسب حالات نماز کی رکعتیں کم ہو جاتی ہیں۔ دو کا موقع ہو تو دو ورنہ ایک رکعت ہی کافی ہوگی۔ اگر حالات زیادہ خطرناک ہوں تو جماعت کی بجائے اکیلے اکیلے اور اگر اس کا

---

[1] :- الفضل ۲۳ جنوری ۱۹۲۲ء۔ فتاویٰ احمدیہ صفحہ ۴۵ جلد ۲ ۔ [2] :- بخاری ابواب تقصیر الصلوٰۃ - باب یقصر اذا خرج صفحہ ۱۴۸ جلد ۱، ابوداؤد صفحہ ۱۴۹ جلد ۱

بھی موقع نہ ہو تو پھر چلتے پھرتے سوار یا پیدل قبلہ کی طرف رُخ ہو یا نہ ہو محض اشارہ سے بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے اور اگر اس سے بھی زیادہ خطرناک حالات کا سامنا ہو تو نماز کی نیّت کر لینا چند ایک کلمات ادا کرنا اور ایک آدھ اشارہ کر لینا بھی کافی ہے۔ یوں جنگ میں کئی وقتوں کی نمازیں اکٹھی بھی کی جا سکتی ہیں۔ ۱؎

جنگ اور نماز

سوال:۔ میدانِ جنگ میں نماز کیسے پڑھیں؟

جواب:۔ جس طرح بن پڑے ہر حال میں پڑھ لو۔ چھوڑنا ہرگز نہیں چاہیئے۔ ایک سے زیادہ اوقات کی ملا کر ہی پڑھ سکو تو پڑھ لو۔ ۲؎

سوال:۔ میدان کارزار میں قصر صلوٰۃ اور روزہ کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب:۔ نماز قصر پڑھیں اور روزہ نہ رکھیں۔ ۳؎

سوال:۔ نماز سے متعلق کسی مسئلہ میں فوج، سول سے مختلف بھی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ فوج نماز کے معاملہ میں صرف اس حد تک عام سول آبادی سے مختلف ہے کہ وہ بحالات مجبوری و ضرورت اپنے اپنے وقت میں نماز پڑھنے کی بجائے دو تین چار یا پانچ نمازیں اکٹھی یعنی جمع کر کے پڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح اگر گھمسان کی جنگ ہو رہی ہو تو فوجی چلتے پھرتے حملہ کرتے اشاروں اشاروں میں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس بارہ میں آیت و حدیث کا حوالہ درج ذیل ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُکْبَانًا فَاِذَا اَمِنْتُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَمَا عَلَّمَکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۴؎

حدیث یہ ہے:۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِؓ جَاءَ یَوْمَ الْخَنْدَقِ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ جَعَلَ یَسُبُّ کُفَّارَ قُرَیْشٍ وَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا کِدْتُ اَنْ اُصَلِّیَ حَتّٰی کَادَتِ الشَّمْسُ اَنْ تَغْرُبَ۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا وَاللّٰہِ مَا صَلَّیْتُھَا فَنَزَلْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

۱؎:۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خندق صفحہ ۵۹

۲؎:۔ الفضل یکم جولائی ۱۹۱۵ء ؛ ۳؎:۔ الفضل ۲۷ جولائی ۱۹۱۵ء ؛ ۴؎:۔ البقرہ: ۲۴۰ ؛

بُطْحَانَ فَتَوَضَّأَ لِلصَّلٰوةِ وَتَوَضَّأْنَا لَهَا فَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ[1]

فوت شدہ نمازیں

فرض نماز وقت پر پڑھی جائے تو اسے ادا کہتے ہیں۔ لیکن اگر کسی وجہ سے مثلاً بھول جائے یا سویا رہے اور وقت پر نماز نہ پڑھ سکے بلکہ بعد میں کسی وقت پڑھے تو اُسے قضاء کہتے ہیں[2]

فرض نمازوں کی قضاء واجب ہے جب یاد آئے یا موقع ملے یہ رہی ہُوئی نماز پڑھ لی جائے۔ عمداً نماز چھوڑنے کا تدارک صرف توبہ و استغفار ہے۔ قضاء میں نمازوں کی ترتیب[3] کو قائم رکھنا بھی ضروری ہے لیکن اگر ترتیب بھول جائے یا فوت شدہ نمازوں کی تعداد چھ[6] سے زیادہ ہو جائے تو پھر ترتیب ضروری نہیں رہتی۔ فجر کی دو[2] سنتوں کے علاوہ باقی کسی نماز کی سنتوں کی قضاء نہیں۔

فوت شدہ نمازوں کی قضاء

سوال :۔ اگر کوئی شخص کسی وقت نماز پڑھنا بھول جائے تو پھر کیا کرے؟

جواب :۔ جس وقت یاد آئے اس وقت پڑھ لے۔[4]

سوال :۔ اگر ایک نماز چھوٹ جائے تو کیا ساری پچھلی نمازیں جاتی رہتی ہیں؟

جواب :۔ اگر کوئی نماز چھوٹ جائے تو اس کوتاہی پر استغفار کرے اور اس نماز کو دوبارہ پڑھے[5]

سوال :۔ مَیں چھ[6] ماہ تک تارک صلوٰۃ تھا اب مَیں نے توبہ کی ہے کیا وہ سب نمازیں اب پڑھوں؟

جواب :۔ اس طرح نماز کی قضاء نہیں ہوتی۔ اس کا علاج توبہ ہی کافی ہے۔[6]

سوال :۔ ایک بیمار نے بارہ دن نماز نہ پڑھی تو اس کا بارہ نیرہ روپیہ کفارہ دیا گیا یہ درست ہے؟

جواب :۔ نماز جان بوجھ کر چھوڑی یا بیماری کی وجہ سے کئی روز نہ پڑھ سکا۔ دونوں صورتوں میں کوئی کفارہ نہیں۔ صرف توبہ کافی ہے[7]

---

[1]:۔ بخاری ابواب صلوٰۃ الخوف ص ۱۲۹ ج ۱، کتاب المغازی ص ۵۹۰ ج ۲ ؛

[2]:۔ بخاری باب قضاء الصلوٰت ص ۸۴ ج ۱ ؛ [3]:۔ ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب فی الرجل تفوت الصلوٰت بایتھن یبدأ ص ۲۵ ج ۱ ؛

[4]:۔ الفضل ۱۰ر جولائی ۱۹۳۲ء ؛ [5]:۔ فائل مسائل دینی ۳۲-A ۱۷-۱۰-۶۱ ؛ [6]:۔ بدر ۲۴ر دسمبر ۱۹۰۸ء ؛ [7]:۔ الفضل ۶ر مئی ۱۹۱۵ء ؛

قضاءِ عمری

سوال ہؤا کہ جمعۃ الوداع کے دن لوگ چار رکعت نماز پڑھتے ہیں اور اس کا نام قضاءِ عمری رکھتے ہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ گذشتہ نمازیں جو ادا نہیں کیں ان کی تلافی ہو جاوے اس کا کوئی ثبوت ہے، یا نہیں؟

جواب :۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا :۔" یہ ایک فضول امر ہے ۔ مگر ایک دفعہ ایک شخص بے وقت نماز پڑھ رہا تھا کسی شخص نے حضرت علیؓ کو کہا کہ آپ خلیفۂ وقت ہیں اسے منع کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا کہ مَیں ڈرتا ہُوں کہ کہیں اس آیت کے نیچے ملزم نہ بنایا جاؤں[1] :۔

" اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یَنۡہٰی عَبۡدًا اِذَا صَلّٰی " [2]

ہاں اگر کسی شخص نے عمداً نماز اس لئے ترک کی ہے کہ قضاءِ عمری کے دن پڑھ لُوں گا تو اُس نے ناجائز کیا ہے اور اگر ندامت کے طور پر تدارک مافات کرتا ہے تو پڑھنے دو کیوں منع کرتے ہو آخر دُعا ہی کرتا ہے ۔ ہاں اس میں پست ہمتی ضرور ہے پھر دیکھو منع کرنے سے کہیں تم بھی اس آیت کے نیچے نہ آجاؤ " [3]

وتر

وتر طاق کو کہتے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد کم از کم تین رکعت نماز پڑھی جائے یہ نماز واجب ہے وتر کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد علی الترتیب سورہ اعلیٰ ۔ سورہ کافرون اور سورہ اخلاص پڑھنا مسنون ہے ۔ تاہم کوئی دوسری سورہ بھی پڑھی جاسکتی ہے ۔ وتر کی دوسری رکعت کے بعد قعدہ میں بیٹھ کر تشہد پڑھے ۔ پھر سلام پھیر کر اللہ اکبر کہتے ہُوئے کھڑا ہو جائے اور تیسری رکعت پڑھے یہ بھی جائز ہے کہ تشہد کے بعد اُٹھ کر تیسری رکعت مکمل کرے اور پھر سلام پھیرا جائے ۔ البتہ پہلی دو رکعت پڑھے بغیر صرف ایک رکعت پڑھنا پسندیدہ نہیں ۔ وتر کی تیسری رکعت کے بعد دعائے قنوت پڑھنا مسنون ہے ۔ دُعائے قنوت یہ ہے :۔

---

[1] :۔ عن علیؓ انہ رایٔ فی المصلی اقواماً یصلون قبل صلوٰۃ العید فقال ما رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل ذالک فقیل لہٗ الا تنھاھم فقال اخشی ان ندخل تحت وعید ولہ تعالیٰ ارءیت الذی ینھی عبدا اذا صلی ۔ (تفسیر روح البیان ص۴۷۶ ج۱۰ مطبوعہ استنبول ۱۹۲۸ء)؛ [2] سورۃ علق ۱۰-۱۱ ؛ [3] : الحکم ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء ۔ فتاویٰ مسیح موعود ص۶۵ ؛

اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ اِنَّہٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَاِنَّہٗ لَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ نَسْتَغْفِرُکَ وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ [1]

یعنی اے میرے اللہ مجھے ہدایت دے کر ان لوگوں میں شامل کر جن کو ہدایت دینے کا تُو نے فیصلہ کیا ہے۔ اور مجھے سلامت رکھ کر ان لوگوں میں شامل کر جن کو سلامت رکھنے کا تُو نے فیصلہ کیا ہے۔ اور مجھے دوست بنا کر ان لوگوں میں شامل کر جن کو دوست بنانے کا تُو نے فیصلہ کیا ہے اور مجھے برکت دے ان انعامات میں جو تُو نے دیئے ہیں۔ اور مجھے بچا ان چیزوں کے نقصان سے جو تیری تقدیر میں نقصان دہ قرار دی گئیں ہیں۔ کیونکہ تو ہی فیصلے کرتا ہے اور تیری مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ سو وہ شخص ذلیل و خوار نہیں رہ سکتا جس کا تو دوست ہے۔ اور نہ وہ عزت پا سکتا ہے جس کا تو دشمن ہے۔ اے ہمارے رب تو برکت والا اور بلند شان والا ہے اے اللہ ہمارے نبی پر خاص فضل فرما جن کے ذریعہ سے ہمیں ایسی عمدہ دعاؤں کا علم حاصل ہوا۔

۲۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَنَسْتَغْفِرُکَ وَنُؤْمِنُ بِکَ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْکَ وَنُثْنِیْ عَلَیْکَ الْخَیْرَ وَنَشْکُرُکَ وَلَا نَکْفُرُکَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ۔ اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَلَکَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا رَحْمَتَکَ وَنَخْشٰی عَذَابَکَ اِنَّ عَذَابَکَ بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ [2]

وتروں کا وقت نمازِ عشاء سے لیکر طلوعِ فجر تک رہتا ہے تاہم سونے کے بعد رات کے آخری حصہ میں اُٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنے کے بعد وتر ادا کرنا افضل ہے۔ اگر رات کے آخری حصے میں اٹھنے کی عادت نہ ہو تو عشاء کے بعد ہی وتر پڑھ لینے بہتر ہیں۔ وتر اکیلے پڑھے جاتے ہیں۔ البتہ رمضان المبارک میں وتر کی نماز تراویح کی طرح باجماعت پڑھنا بھی مشروع ہے [3]

---

[1] نسائی باب الدعا فی الوتر صفحہ ۲۰۲، ابوداؤد صفحہ ۲۰۱ ؛ [2] الف۔ قیام اللیل صفحہ ۲۳۴ للشیخ محمد بن نصر المروزی متوفی ۲۹۴ھ،
ب۔ اخرجہ محمد بن نصر فی کتاب قیام اللیل بحوالہ تحفۃ الفقہا باب صلوٰۃ الوتر صفحہ ۳۰۲ مطبوعہ دار الفکر دمشق۔
[3]۔ نور الایضاح باب الوتر صفحہ ۱۱۳ ؛

نمازِ وتر سے متعلق فتاویٰ

ایک نماز وتر کہلاتی ہے اس نماز کی بھی مغرب کی طرح تین رکعتیں ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ مغرب کی نماز میں پہلے تشہد کے بعد جو تیسری رکعت پڑھی جاتی ہے اس میں سورہ فاتحہ کے بعد قرآن کریم کی زائد تلاوت نہیں کی جاتی۔ لیکن وتر کی نماز میں تیسری رکعت میں بھی سورہ فاتحہ کے بعد قرآن کریم کی چند آیات یا کوئی چھوٹی سورۃ پڑھی جاتی ہے۔

دوسرا فرق اس میں یہ ہے کہ نماز وتر کو مغرب کی نماز کے برخلاف دو حصوں میں بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یعنی یہ بھی جائز ہے کہ دو رکعتیں پڑھ کر تشہد کے بعد سلام پھیر دیا جائے اور پھر ایک رکعت الگ پڑھ کر تشہد کے بعد سلام پھیرا جائے۔ [1]

سوال :۔ کیا وتر اس طرح پڑھے جا سکتے ہیں کہ تینوں رکعتیں اکٹھی پڑھی جائیں اور درمیان میں دو رکعتوں کے بعد تشہد نہ بیٹھا جائے ؟

جواب :۔ وتر کا زیادہ صحیح طریق یہ ہے کہ دو رکعت پڑھ کر تشہد بیٹھے پھر سلام پھیر دے۔ پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت پڑھے اور التحیات کے بعد سلام پھیرے یا دوسری رکعت کا تشہد پڑھ کر کھڑا ہو جائے اور تیسری رکعت پڑھے اور تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے۔ [2]

سوال :۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا وتر پڑھنے کا کیا طریق تھا ؟

جواب :۔ تفسیر القرآن مؤلفہ سیّد سرور شاہ صاحب کے صفحہ ۱۸۱ پر حضور کے وتر پڑھنے کا طریق یوں درج ہے :۔

"وتروں کی نسبت بہت سوال ہوتا رہتا ہے کہ ایک پڑھا جائے یا تین اور یہ بھی اگر تین ہوں تو پھر کس طرح پڑھے جائیں تو ان میں حضور کا حکم یہ ہے کہ ایک رکعت تو منع ہے اور تین اس طور پر پڑھتے ہیں کہ دو رکعتوں کے بعد التحیات پڑھ کر سلام پھیر دیتے ہیں اور پھر اُٹھ کر ایک رکعت پڑھتے ہیں اور کبھی دو کے بعد التحیات پڑھتے ہیں اور سلام پھیرنے سے پہلے اُٹھ کر تیسری رکعت پڑھتے ہیں۔" [3]

---

[1] :۔ تفسیر سورۃ بقرہ تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ ۱۱۳ ؛ [2] :۔ الفضل ۱۵ ار ستمبر ۱۹۳۵ء ؛

[3] :۔ مجموعہ فتاویٰ صفحہ ۲۰۸ ؛

حضرت خلیفہ اوّلؓ کا ارشاد بھی یہی ہے۔ [1]

سوال :۔ اکیلا وتر پڑھنے کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب :۔ ہم نے اکیلا وتر پڑھنے کے متعلق حکم کہیں نہیں دیکھا۔ ہاں دو رکعت کے بعد خواہ سلام پھیر کر دوسری رکعت پڑھ لے خواہ تینوں رکعت ایک ہی نیت سے پڑھ لے۔ [2]

حدیث کی تصریح یہ ہے :۔

عَنْ عَائِشَةَ رض كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِيْمَا بَيْنَ اَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ اِلَى الْفَجْرِ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ ۔ [3]

وتر پڑھنے کا وقت

سوال :۔ وتر کس وقت پڑھنے چاہئیں؟

جواب :۔ (از حضرت خلیفہ اوّلؓ) وتر پہلی رات کو پڑھ لینا بہتر ہے۔ پچھلی رات بھی پڑھے جا سکتے ہیں۔ بہتر ہے کہ پہلی رات پڑھ لئے جائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہی طریق عمل ہے کہ آپ پہلی رات کو پڑھ لیا کرتے تھے۔ [4]

سوال :۔ وتر کی نماز عشاء کا جزو ہے یا نماز تہجد کا۔ اگر مغرب اور عشاء جمع ہوں تو وتر پڑھنے کیوں ضروری سمجھے جاتے ہیں جبکہ جمع کی صورت میں فرض کے علاوہ کوئی اور نماز (سنتیں وغیرہ) نہیں پڑھی جاتی؟

جواب :۔ اصل میں تو وتر نماز تہجد کا جزو ہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد کی آخری تین رکعتوں کو وتر کی صورت میں ادا فرمایا کرتے تھے لیکن چونکہ وتر نماز کی الگ بھی تاکید آئی ہے اور ہر ایک شخص نمازِ تہجد کے لئے نہیں اُٹھتا۔ یا کسی عوارض کی وجہ سے اُٹھ نہیں سکتا۔ اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے کہ ایسا شخص نماز عشاء کے بعد سونے سے پہلے وتر کی نماز پڑھ لیا کرے۔ حدیث درج ذیل ہے :۔

۱۔ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ اَوْصَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْوِتْرِ

---

[1] :۔ بدر ۱۲ جنوری ۱۹۰۲ء ؛ [2] :۔ بدر ۲ اپریل ۱۹۰۳ء ؛

[3] :۔ مسلم باب صلوٰۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۲۸۳ ج۱ ؛ [4] :۔ بدر ۱۲ جنوری ۱۹۰۲ء، فتاویٰ مسیح موعود ص۵۳ ؛

قَبْلَ النَّوْمِ۔ ؎۱

۲۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ اَنْ لَّا یَقُوْمَ مِنْ آخِرِ اللَّیْلِ فَلْیُوْتِرْ اَوَّلَہٗ وَمَنْ اَنْ یَقُوْمَ آخِرَہٗ فَلْیُوْتِرْ آخِرَ اللَّیْلِ ؎۲

اس لحاظ سے وتر کی نماز کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے لے کر طلوع فجر تک ہے۔

حدیث میں ہے:۔

۳۔ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ اَنَّہٗ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَکُمْ بِصَلٰوةٍ ھِیَ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ اَلْوِتْرُ جَعَلَہُ اللّٰہُ لَکُمْ فِیْمَا بَیْنَ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ اِلٰی اَنْ یَّطْلُعَ الْفَجْرُ۔ ؎۳

جمع نماز کی صورت میں اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالتصریح یہ ثابت نہیں کہ حضور مغرب کے ساتھ عشاء کی نماز کو جمع کرنے کے معًا بعد وتر کی نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور ایسی تصریح آ بھی نہیں سکتی کیونکہ حضور علیہ السلام تو بالعموم وتر کی نماز تہجد کے ساتھ آخری حصہ رات میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ تاہم اصول عامہ کے مطابق اگر کوئی شخص چاہے تو جمع نماز کے معًا بعد وتر کی نماز پڑھ سکتا ہے اور ہماری جماعت کا عام عمل اسی کے مطابق ہے۔ عام طور پر جمع نماز کے بعد سنتیں اور نوافل نہیں پڑھے جاتے۔ البتہ وتر ضروری ہیں کیونکہ وتر کے متعلق سنتوں سے زیادہ تاکید آئی ہے۔ اسی لئے علماء نے وتر کو واجب قرار دیا ہے جو سنّت سے اُوپر کا درجہ ہے۔

سفر میں وتر

سوال:۔ سفر میں وتر کی کتنی رکعت پڑھنی چاہئیں؟

جواب:۔ (از حضرت خلیفۃ المسیح اوّل) سفر و حضر میں وتر کے واسطے تین رکعت ضروری ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سفر میں بھی وتر کی تین رکعت بعد نماز عشاء پہلی رات کو ضرور پڑھا کرتے ہیں۔ ؎۴

؎۱:۔ بخاری باب ساعات الوتر الخ صفحہ ۱۳۵؛ ؎۲: مسلم باب من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل الخ صفحہ ۲۹؛

؎۳:۔ ترمذی ابواب الوتر صفحہ ۶۰ باب فضل الوتر؛ ؎۴:۔ بدر ۱۲ر جنوری ۱۹۰۶ء؛

وتر اور قرأۃ سُوَر

عَنْ اُبَیِّ ابْنِ کَعْبٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقْرَأُ فِی الْوِتْرِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی وَفِی الرَّکْعَۃِ الثَّانِیَۃِ بِقُلْ یٰاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ وَفِی الثَّالِثَۃِ بِقُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ وَلَا یُسَلِّمُ اِلَّا فِی الْاٰخِرَۃِ ۔[1]

یعنی حضرت اُبَیّ بن کعب کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سورہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی پڑھتے ۔ دوسری میں سورہ کافرون اور تیسری میں سورہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۔ سلام صرف آخر میں تینوں رکعت پڑھ کر پھیرتے ۔

سوال :۔ وتر نماز کی آخری رکعت میں دعائے قنوت پڑھنا اگر بھول جائے تو سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟

جواب :۔ سجدہ سہو واجب نہیں ۔ کیونکہ وتروں میں بالالتزام دُعاءِ قنوت پڑھنا ہمارے نزدیک واجب اور ضروری نہیں ہے بلکہ مستحب اور باعثِ ثواب ہے ۔

وتروں کے بعد نفل

سوال :۔ وتر ادا کرنے کے بعد نوافل پڑھے جا سکتے ہیں یا نہیں اور اگر نوافل پڑھے جا سکتے ہیں تو کیا دوبارہ وتر پڑھنے ضروری ہیں ؟

جواب :۔ عشاء کی نماز اور وتر پڑھنے کے بعد طلوع فجر سے پہلے نوافل پڑھے جا سکتے ہیں اس میں کوئی شرعی روک نہیں ۔ تاہم بہتر یہی ہے کہ نوافل وتر کی نماز سے پہلے ادا کئے جائیں اور رات کی نفل نماز کا اختتام وتر پر کیا جائے ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :۔

"اِجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلٰوتِکُمْ مِنَ اللَّیْلِ وِتْرًا" ۔[2]

کہ رات کی آخری نماز وتر ہونی چاہیئے لیکن اگر کوئی عشاء کی نماز کے ساتھ ہی وتر پڑھ لے اور پھر تہجد کے وقت اُٹھ کر نوافل پڑھے تو ضروری نہیں کہ وہ دوبارہ وتر بھی پڑھے ۔ حضرت ابوبکرؓ اور کئی

---

[1] :۔ نسائی کتاب قیام اللیل باب القرأۃ فی الوتر ص۲۰۳ ؎

[2] :۔ مسلم باب صلوٰۃ اللیل مثنی مثنی والوتر من آخر اللیل ص۲۰۹/۱ ؎

جلیل القدر صحابہؓ کا یہی مسلک تھا کہ وہ بعد میں دوبارہ وتر پڑھنے کو ناپسند کرتے تھے۔ ہاں حضرت ابن عمرؓ اور چند ایک دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ پچھلی رات نوافل پڑھنے کے بعد دوبارہ وتر کی نماز پڑھنا مستحسن ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ پچھلی رات اُٹھ کر پہلے صرف ایک رکعت پڑھے۔ یہ رکعت رات کے پہلے حصہ میں پڑھی ہوئی وتر کی ایک رکعت کے ساتھ مل کر دو دو رکعت نفل یعنی دوگانہ بن جائے گی اس کے بعد اور نوافل پڑھے اور پھر آخر میں دو دو رکعت کے ساتھ ایک مزید رکعت پڑھ کر اُسے وتر بنا لے۔ چنانچہ ابن عمرؓ سے روایت ہے:۔

اَنَّہٗ کَانَ اِذَا سُئِلَ عَنِ الْوِتْرِ قَالَ اَمَّا اَنَا فَلَوْ اَوْتَرْتُ قَبْلَ اَنْ اَنَامَ ثُمَّ اَرَدْتُ اَنْ اُصَلِّیَ بِاللَّیْلِ شَفَعْتُ بِوَاحِدَۃٍ مَا مَضٰی مِنْ وِتْرِیْ ثُمَّ صَلَّیْتُ مَثْنٰی مَثْنٰی فَاِذَا قَضَیْتُ صَلَاتِیْ اَوْتَرْتُ بِوَاحِدَۃٍ۔ لِاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَ اَنْ یُّجْعَلَ اٰخِرُ صَلَاۃِ اللَّیْلِ الْوِتْرَ[1]

کہ اگر مَیں سونے سے پہلے وتر پڑھ لوں اور پھر رات کے آخری حصہ میں تہجد کے لئے اُٹھوں تو پہلے مَیں ایک رکعت پڑھتا ہُوں اور اس طرح رات کے پہلے حصہ کے وتر کو شفع یعنی دوگانہ بنا لیتا ہُوں۔ پھر دو دو رکعت کر کے نفل پڑھتا رہتا ہُوں اور آخر میں ایک رکعت وتر پڑھتا ہُوں۔

اسی طرح حضرت علیؓ کی روایت ہے:۔

قَالَ الْوِتْرُ ثَلَاثَۃُ اَنْوَاعٍ فَمَنْ شَاءَ اَنْ یُّوْتِرَ اَوَّلَ اللَّیْلِ اَوْتَرَ فَاِنِ اسْتَیْقَظَ فَشَاءَ اَنْ یَّشْفَعَہَا بِرَکْعَۃٍ وَ یُصَلِّیَ رَکْعَتَیْنِ حَتّٰی یُصْبِحَ ثُمَّ یُوْتِرَ وَاِنْ شَاءَ رَکْعَتَیْنِ حَتّٰی یُصْبِحَ وَاِنْ شَاءَ اٰخِرَ اللَّیْلِ اَوْتَرَ۔[2]

یعنی وتر پڑھنے کی تین صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ رات کے پہلے حصہ میں ہی وتر پڑھ لے اور پھر بعد میں تہجد کے لئے اُٹھے تو صرف نماز تہجد ہی پڑھے اور دوبارہ وتر نہ پڑھے۔

دوئم یہ کہ سو کر اُٹھنے کے بعد ایک رکعت پڑھ کر پہلے وتر کو شفع یعنی جفت بنا لے۔ پھر دو دو رکعت تہجد پڑھتا رہے اور آخر میں پھر ایک رکعت وتر کی پڑھ لے۔

سوئم۔ یہ کہ وتر کی نماز سونے سے پہلے نہ پڑھے بلکہ تہجد کے بعد آخر میں پڑھے۔

جو بزرگ رات کے آخری حصہ میں دوبارہ وتر پڑھنے کو پسند نہیں کرتے اُن کے دلائل یہ ہیں:۔

---

[1]: مسند احمد ص ۱۳۵ ج ۲، نیل الاوطار ص ۴۶ ج ۲ باب لا وتران فی لیلۃ ۔ [2]: مسند امام شافعی بحوالہ نیل الاوطار باب لا وتران فی لیلۃ ص ۴۶ ج ۲ ۔

الف :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کبھی نہیں کیا۔

ب :۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ایک رات میں دو دفعہ وتر نہ پڑھے جائیں اور صورت مذکورہ میں تو ایک طرح سے تین دفعہ وتر پڑھنے کی شکل بن جاتی ہے۔

ج :۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک رکعت تو سونے سے پہلے پڑھی جائے اور پھر درمیان میں انسان سوئے۔ پیشاب پاخانہ کرے۔ باتیں کرے۔ وضو کرے اور پھر ایک رکعت پڑھے اور وہ پہلے پڑھی ہوئی رکعت کا حصہ بن کر دو رکعت کی ایک نماز یعنی دوگانہ شمار ہو اصول نماز میں ہمیں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی:

د ۔ آخری نماز ہونے کا حکم عمومی ہے لازمی نہیں۔ کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات وتروں کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث سے ثابت ہوتا ہے:۔

عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ سُئِلَتْ عَائِشَةُ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّيْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّيْ ثَمَانِ رَكْعَاتٍ ثُمَّ يُوْتِرُ ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَرْكَعَ قَامَ فَرَكَعَ ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ بَيْنَ النِّدَاءِ وَالْاِقَامَةِ مِنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ۔ [1]

پس ضروری نہیں کہ رات کی آخری نماز کو وتر بنانے کے لئے یہ حیلہ اختیار کیا جائے۔ تاہم اگر کوئی چاہے تو حضرت ابن عمرؓ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے ایسا کر سکتا ہے۔

وتر باجماعت

سوال :۔ رمضان المبارک میں تراویح کے ساتھ وتر بھی باجماعت پڑھے جاتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا ضروری ہے؟

جواب :۔ رمضان المبارک میں وتر کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بارہ میں بعض احادیث سے استنباط ہوتا ہے۔ مثلاً

I ۔ اَخْرَجَ ابْنُ حِبَّانَ فِیْ صَحِيْحِهٖ مِنْ حَدِيْثِ جَابِرٍ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهِمْ ثَمَانِ رَكْعَاتٍ ثُمَّ اَوْتَرَ۔ [2]

---

[1] مسلم باب جواز النافلۃ قائماً وقاعداً ص ۲۸۳ ج ۱ :
[2] نیل الاوطار باب صلوٰۃ التراویح ج ۳ ص ۵۳ :

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو آٹھ رکعت نماز پڑھائی اور پھر وتر پڑھائے۔

II عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّهٗ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَتَمِيْمَ الدَّارِيَ اَنْ يَقُوْمَا لِلنَّاسِ بِاِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً۔ [1]

یعنی حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو فرمایا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت (بشمول وتر) تراویح پڑھایا کریں۔

III اَخْرَجَ اَبُوْدَاؤُدَ اَنَّ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ كَانَ يَؤُمُّهُمْ فِي التَّرَاوِيْحِ وَ يَقْنُتُ فِي النِّصْفِ الْاٰخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔ [2]

یعنی حضرت اُبی تراویح پڑھاتے اور رمضان کے نصف آخر میں وتروں میں قنوت بھی پڑھتے۔

ان احادیث کی بناء پر ائمہ فقہ رمضان المبارک میں وتر با جماعت کو جائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حنفیوں کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے:-

لَا يُصَلِّى الْوِتْرُ بِجَمَاعَةٍ فِيْ غَيْرِ رَمَضَانَ عَلَيْهِ اِجْمَاعُ الْمُسْلِمِيْنَ [3]

سوال :- وتر نماز کی قضاء کی جائے یا نہیں؟

جواب :- فرضوں کی قضاء ضروری ہوتی ہے۔ وتروں کی قضاء اس طرح ضروری تو نہیں لیکن پڑھنا اولیٰ ہے۔ طلوع فجر کے بعد نماز سے پہلے پہلے بھی اور سورج نکلنے کے بعد بھی جس وقت چاہے وتروں کی قضاء کر سکتا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

(۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَمْ يُصَلِّ مِنَ اللَّيْلِ مَنَعَهٗ مِنْ ذٰلِكَ النَّوْمُ اَوْ غَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً۔ [4]

(۲) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنِ الْوِتْرِ اَوْ نَسِيَهٗ فَلْيُصَلِّ اِذَا ذَكَرَ وَ اِذَا اسْتَيْقَظَ [5]

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سو جانے کی وجہ سے وتر نہیں پڑھ سکا وہ جاگنے پر جب یاد آئیں وتر پڑھ لے۔

---

[1] :- مؤطا امام مالک باب الترغیب فی الصلوٰۃ فی رمضان ص۴۰ ؛ [2] :- حاشیہ شرح وقایہ ص۲۰۱ ؛
[3] :- ھدایہ۔ فصل فی قیام رمضان ص۱۱۱ ؛ [4] :- ترمذی ابواب صلوٰۃ اللیل ص۵۹ ؛
[5] :- ترمذی ابواب الوتر باب فی الرجل ینام عن الوتر ص۶۱ ؛

نمازِ تہجد

عشاء کی نماز کے بعد سو جانا اور پھر پچھلی رات اُٹھ کر عبادت کرنا اور نماز پڑھنا باعثِ برکت ہے۔ رات کا آخری حصّہ بالخصوص قبولیتِ دُعا اور تقرب الی اللہ کا بہت بڑا ذریعہ ہے کیونکہ اس وقت انسان اپنی میٹھی نیند اور آرام دہ بستر کو چھوڑ کر اپنے مولائے حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

(۱) وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ [1]

اور رات کو بھی تو اس (قرآن) کے ذریعہ سے کچھ سو لینے کے بعد شب بیداری کیا کر۔

(۲) يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۙ [2]

اے چادر میں لپٹے ہوئے (خدا کی رحمت کا انتظار کرنے والے) راتوں کو اُٹھ اُٹھ کے عبادت کر۔ جس سے ہماری مراد یہ ہے کہ رات کا اکثر حصّہ عبادت میں گذارا کر یعنی اُسکا نصف یا نصف سے کچھ کم کر دے یا اس پر کچھ اور بڑھا دے۔ اور قرآن کو خوش الحانی سے پڑھا کر۔

تہجد کی نماز آٹھ رکعت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ یہ نماز پڑھی ہے۔ آپ تہجد کی نماز بالعموم دو دو رکعت کر کے پڑھتے تھے۔ لمبی قرأت اور لمبے لمبے رکوع وسجود کے علاوہ خوب دُعائیں کرتے۔ پھر آخر میں تین رکعت وتر ادا[3] فرماتے۔ اس طرح سے آپ بالعموم رات کے پچھلے حصّہ میں کل گیارہ رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:۔

"ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ تہجد کی نماز کو لازم کرلیں جو زیادہ نہیں وہ دو رکعت ہی پڑھ لے۔ کیونکہ اس کو دُعا کرنے کا موقع مل جاوے گا۔ اس وقت کی دعاؤں میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے کیونکہ وہ سچے درد اور سچے جوش سے نکلتی ہیں جب تک ایک خاص سوز اور دردِ دل نہ ہو اس وقت ایک شخص خوابِ راحت سے بیدار کب ہو سکتا ہے۔ پس اس وقت کا اُٹھنا ہی ایک دردِ دل پیدا کر دیتا ہے جس سے دُعا میں رقت اور اضطراب کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اُٹھنے میں سستی اور غفلت سے کام لیتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ درد اور سوز دل میں نہیں کیونکہ نیند تو غم کو دُور کر دیتی ہے لیکن جبکہ نیند سے بیدار ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ کوئی درد اور غم نیند سے بھی بڑھ کر ہے جو بیدار کر رہا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کثرت سے نوافل ادا کرتے آپ آٹھ رکعت نماز نفل

---

[1]:۔ بنی اسرائیل: ۸۰ ۔ [2]:۔ مزمل: ۲ تا ۵ ۔ [3]:۔ بخاری باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل ص ۱۵۴ جلد ۱

اور تین وتر پڑھتے۔ کبھی ایک ہی وقت میں ان کو پڑھ لیتے اور کبھی اس طرح سے ادا کرتے کہ دو۲ رکعت پڑھ لیتے اور پھر سو جاتے اور پھر اُٹھتے اور دو۲ رکعت پڑھ لیتے اور سو جاتے غرض سو کر اور اُٹھ کر نوافل اس طرح ادا کرتے۔" [۱]

نوافل میں سے نماز تہجد اعلیٰ ارفع اور سب سے زیادہ مؤکدہ نماز ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مداومت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں بے اندازہ برکات رکھی ہیں اور قرآن پاک میں اس کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے۔ نماز تہجد کی آٹھ رکعتیں ہیں اور وتروں سمیت گیارہ رکعتیں۔ اس کا وقت نماز عشاء کے بعد سو کر کسی وقت اُٹھنے سے لے کر صبح صادق کے طلوع ہونے تک ہے۔ اس وقت میں جب چاہے نیند سے بیدار ہو کر یہ نماز ادا کرے لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ شروع رات میں جلد سو جائے اور پھر رات کی آخری تہائی میں اُٹھ کر یہ نماز ادا کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں روایت ہے کہ:۔

کان یصلی ثلاث عشرۃ رکعۃ یصلی ثمان رکعات ثم یوتر ثم یصلی رکعتین وھو جالس فاذا اراد ان یرکع قام فرکع ثم یصلی رکعتین بین النداء والاقامۃ من صلاۃ الصبح۔ [۲]

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے وقت کل تیرہ رکعت اس طرح پڑھتے تھے کہ پہلے دو دو۲ کر کے آٹھ رکعت پڑھتے پھر تین وتر پڑھتے پھر بیٹھ کر دو۲ رکعت پڑھتے اس کے بعد جب اذان ہوتی تو دو۲ رکعت سنت فجر ادا فرماتے۔

اگر وتر یا تہجد کی نماز فوت ہو جائے تو بعد میں کسی وقت اُن کی قضاء کی جا سکتی ہے یہ قضاء جائز اور موجب ثواب ہے۔ ضروری نہیں۔ [۳]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"تہجد کے فوت ہونے یا سفر سے واپس آکر پڑھنا ثابت ہے۔ لیکن تعبّد میں کوشش کرنا اور کریم کے دروازے پر پڑے رہنا عین سنّت ہے۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔" [۴] [۵]

---

۱ :۔ الحکم اپریل ۱۹۰۲ء، فتاویٰ مسیح موعود ص۷۱ ؛ ۲ :۔ مسلم ص ۲۸۳/۱

۳ :۔ (۱) نیل الاوطار باب قضاء مایفوت من الوتر والسنن الخ ص ۴۷/۲ (۲) نیل الاوطار ماجاء فی قیام اللیل ص ۵۶ ؛

۴ :۔ سورۃ انفال آیت ۴۶ ؛ ۵ :۔ مکتوبات احمدیہ جلد اول ص ۲، فتاویٰ مسیح موعود ص ۲۲/۱ ؛

"اگر کوئی شخص بیمار ہو یا کوئی ایسی وجہ ہو کہ وہ تہجد کے نوافل ادا نہ کر سکے تو وہ اُٹھ کر استغفار درود شریف اور الحمد شریف ہی پڑھ لیا کرے۔" [۱]

نماز تراویح

نماز تراویح دراصل تہجد ہی کی نماز ہے صرف رمضان المبارک میں اس کے فائدہ کو عام کرنے کے لئے رات کے پہلے حصّہ میں یعنی عشاء کی نماز کے مُعاً بعد عام لوگوں کو پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے اس نماز کا زیادہ تر رواج حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پڑا۔ رمضان میں بھی رات کے آخری حصّہ میں یہ نماز ادا کرنا افضل ہے۔

نماز تراویح میں قرآن کریم سنانے کا طریق بھی صحابہ رضوان اللہ علیہم کے زمانہ سے چلا آیا ہے۔ تراویح کی نماز آٹھ رکعت ہے تاہم اگر کوئی چاہے تو بیسؔ یا اس سے زیادہ رکعت بھی پڑھ سکتا ہے۔ ہر چار رکعت کے بعد تھوڑی دیر کے لئے ستا لینا مستحب ہے۔

سوال :- تراویح کے متعلق عرض ہوا کہ جب یہ تہجد ہے تو بیسؔ رکعت پڑھنے کی نسبت کیا ارشاد ہے کیونکہ تہجد تو مع وتر گیارہ یا تیرہ رکعت ہے؟

جواب میں فرمایا :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت دائمی تو وہی آٹھ رکعات ہیں۔ اور آپ تہجد کے وقت ہی پڑھا کرتے تھے اور یہی افضل ہے۔ مگر پہلی رات بھی پڑھ لینا جائز ہے۔ ایک روایت [۲] میں ہے کہ آپ نے رات کے اوّل حصّہ میں اسے پڑھا۔ ۲۰ رکعات بعد میں پڑھی گئیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت وہی تھی جو پہلے بیان ہوئی۔ [۳]

(۲) تراویح کی رکعتوں کے بارہ میں اصولاً یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہمارے نزدیک خاص تعداد کی پابندی ضروری نہیں اگر کوئی آٹھ رکعتوں کی بجائے بیسؔ رکعتیں پڑھتا ہے تو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیئے۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیسؔ رکعت تراویح بھی پڑھائی گئی ہے لیکن جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوامی عمل کا تعلق ہے آپؐ اکثر آٹھ رکعت ہی پڑھتے تھے۔ اور تہجد کے وقت میں پڑھتے تھے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں :-

---

۱؎ :- مکتوبات احمدیہ ص ۲/۱ ، الحکم ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء ، فتاوی مسیح موعود ص ۷۱ ٭ ۲؎ :- مسند احمد ص ۱۷۲/۵ ، نیل الاوطار ص ۵۱/۳ ، نصب الرایہ ص ۱۵۲/۲ ۔ ۳؎ :- البدر ۶ فروری ۱۹۰۸ء ، فتاوی مسیح موعود ص ۷۲ ٭

عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّہٗ سَأَلَ عَائِشَۃَ کَیْفَ کَانَتْ صَلٰوۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ قَالَتْ مَا کَانَ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِہٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشْرَۃَ رَکْعَۃً یُصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِہِنَّ وَطُوْلِہِنَّ ثُمَّ یُصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِہِنَّ وَطُوْلِہِنَّ ثُمَّ یُصَلِّیْ ثَلَاثًا ۔ [1]

یعنی ابوسلمہؓ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں رات کے وقت کتنی رکعت نماز پڑھتے تھے ۔ آپ نے فرمایا رمضان ہو یا غیر رمضان آپ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے ۔ چار رکعت بڑی لمبی اور بڑی عمدگی سے پڑھتے پھر چار رکعت بڑی لمبی اور بڑی عمدگی سے پڑھتے ۔ اس کے بعد تین وتر پڑھتے ۔ گویا آٹھ رکعت الگ اور تین الگ ۔

ایک اور روایت میں ہے :۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَیْلَۃً مِنْ جَوْفِ اللَّیْلِ فَصَلّٰی فِی الْمَسْجِدِ [2]

اس روایت سے ظاہر ہے کہ آٹھ رکعت تراویح پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہے باقی چونکہ تراویح نفل نماز ہے اس لئے اگر کوئی زیادہ رکعت پڑھنا چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں لوگ بیس رکعت پڑھنے لگے تھے تاکہ ہر رکعت کی قرأت جلدی جلدی ختم ہو اور ایک ہی رکعت میں لوگوں کو دیر تک نہ کھڑا ہونا پڑے ۔ کیونکہ لمبی قرأت کی وجہ سے بعض اوقات لوگ تھک جاتے تھے ۔ [3]

سوال :۔ اگر کسی مقام پر حافظ قرآن میسّر نہ آئے تو کیا نماز تراویح میں امام کا قرآن مجید ہاتھ میں پکڑ کر دیکھ دیکھ کر تلاوت کرنا اور اس طرح نماز پڑھانا درست ہے ؟

جواب :۔ تراویح میں قرآن کریم سے دیکھ کر تلاوت کرنا یا کسی مقتدی کا قرآن دیکھ کر امام کے بولنے پر لقمہ دینا عام حالات میں مناسب نہیں اس سے قرآن کریم کے حفظ کرنے کا شوق کم ہو گا ۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو ایسا کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی ۔ ہاں اگر مجبوری ہے اور

---

[1] : بخاری باب قیام للنبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل ص ۱۵۴ ؛ [2] : مسلم باب الترغیب فی قیام رمضان ص ۲۹۳ ؛
[3] : تفصیل کے لئے دیکھیں نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ص ۱۵۲ ؛

حالات کا تقاضا ہے کہ تراویح کی سنّت کا احیاء کیا جائے تو اس شاذ صورت میں اس کی اجازت مرکز سے لی جاسکتی ہے۔ چنانچہ ایسے ہی حالات کے پیش نظر سابقہ ائمہ میں سے مندرجہ ذیل نے اس طریق کے اختیار کرنے کی اجازت دی ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ۔ [1]

بعض آثار میں آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ جب نفل پڑھتے تو اپنے پاس ایک آدمی کو بٹھا لیتے جب پڑھتے پڑھتے بھول جاتے تو وہ آدمی آپ کو صحیح آیت بتلا دیتا۔ اسی طرح حضرت انسؓ نوافل پڑھتے ہوئے اپنے غلام کو قرآن کریم دے کر اپنے پہلو میں بٹھا لیتے جب بھولتے تو وہ غلام آپ کو بتاتا جاتا۔ [2]

اسی طرح حضرت عائشہؓ کے غلام ذکوان قرآن کریم سامنے رکھ کر نفل نماز پڑھاتے اور حضرت عائشہؓ مقتدی ہوتیں [3]

پس مجبوری کے حالات میں قرآن سے دیکھ کر نفل نماز میں قرأۃ جائز ہے اسی طرح قرآن کریم کے ورق الٹنا اور اس کے لئے ہاتھ سینہ سے ہٹانا بھی جائز ہے۔

سوال :۔ رمضان کے مہینہ میں اگر مغرب کی نماز میں بارش ہو رہی ہو تو کیا مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع ہوسکتی ہیں جبکہ تراویح کا باقاعدہ انتظام ہو؟

جواب :۔ رمضان کے مہینہ میں ضرورت کے پیش نظر بمطابق فیصلہ حاضر احباب مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر تراویح پڑھنا ہو تو نمازیں جمع کرنے کے معاً بعد پڑھی جاسکتی ہیں۔ یا جو لوگ ٹھہر سکیں وہ کافی رات گذرنے پر پڑھ لیں۔ اصولاً اس تقدیم وتاخیر میں کوئی شرعی امر مانع نہیں۔

سوال :۔ نماز تراویح کے اختتام پر جو شیرینی تقسیم کی جاتی ہے بعض احباب اس کو جائز قرار نہیں دیتے اصل حکم کیا ہے؟

جواب :۔ ایسے امور کو رواج نہ ہی دیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ دینی معاملہ میں وہی امر قابل اعتماد ہے جس کی بنیاد قرآن وحدیث پر ہو ورنہ روز نئی نئی بدعات کے دروازے کھلتے رہیں گے اور بے اصولی بڑھے گی۔

نمازِ کسوف وخسوف

سورج گرہن کو کسوف اور چاند گرہن کو خسوف کہتے ہیں۔ اجرام فلکی میں یہ طبعی تبدیلی انسان کو اس طرف

[1] کتاب المیزان للشعرانی ص ۱۳۱ ؛ [2] کشف الغمہ ص ۱۸۱ و قیام اللیل للشیخ محمد بن نصر مروزی ص ۱۶۸ ؛ [3] بخاری باب امامۃ العبد ص ۹۶

متوجہ کرتی ہے کہ جس طرح حالات کے تغیر نے سورج اور چاند کی روشنی کو کم دیا ہے اسی طرح مختلف عوارض سے دل کے نور کو بھی گہن لگ سکتا ہے اور اس سے صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہی بچا سکتا ہے۔ سو اس فضل کے حصول اور روحانی مدارج میں ترقی کی طرف توجہ دلانے کے لئے کسوف و خسوف کے موقع پر دو۲ رکعت نماز رکھی گئی ہے۔

شہر کے سب لوگ مسجد یا کھلے میدان میں جمع ہو کر یہ نمازیں پڑھیں تو زیادہ ثواب ہوگا۔ نماز باجماعت کی صورت میں قرأت بالجہر اور لمبی ہونی چاہیئے۔ حسب حالات ہر رکعت میں کم از کم دو۲ رکوع (بعض روایات میں تین رکوع بھی آئے ہیں) کئے جائیں۔ یعنی قرأت کے بعد رکوع کیا جائے پھر قرآن کا کچھ حصّہ پڑھا جائے اس کے بعد دوسرا رکوع کیا جائے اور پھر سجدہ ہو۔ اس نماز کے رکوع و سجود بھی لمبے ہونے چاہئیں۔ نماز کے بعد امام خطبہ دے جس میں توبہ و استغفار اور اصلاح حال کی تلقین کی جائے۔ [۱]

نماز استسقاء

قحط سالی اور بارش کی قلت کی صورت میں خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کرنے اور اس کے رحم کو جوش میں لانے کے لئے لوگ دن کے وقت کھلے میدان میں جمع ہوں۔ امام ایک چادر اوڑھے ہُوئے دو۲ رکعت نماز پڑھائے۔ قرأت بالجہر ہو۔ نماز سے فارغ ہونے پر امام اُونچے ہاتھ اُٹھا کر اللہ تعالیٰ سے الحاح اور عاجزی کے ساتھ یہ مسنون دُعا مانگے:۔

اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مَرِيْئًا مَرِيْعًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ - عَاجِلًا غَيْرَ آجِلٍ - اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهَائِمَكَ وَ انْشُرْ رَحْمَتَكَ وَ اَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ ط اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا۔ [۲]

یعنی اے اللہ ہم کو پانی پلا۔ برسنے والا۔ گھبراہٹ دُور کرنے والا۔ فائدہ دینے والا۔ ضرر نہ دینے والا۔ جلد آنے والا دیر نہ کرنے والا۔ اے اللہ پانی پلا اپنے بندوں کو اپنے جانوروں کو اور پھیلا اپنی رحمت کو اور زندہ کر اپنے اس مردہ علاقہ کو اے اللہ ہم کو پانی پلا۔ اے اللہ ہم کو پانی پلا۔ اے اللہ ہم کو پانی پلا۔

---

[۱]:- ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی صلوٰۃ الکسوف صفحہ ۷۳ (۲) ابو داؤد کتاب الکسوف صفحہ ۱۶۸-۱۷۰ ج ۱

[۲]:- ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الاستسقاء صفحہ ۱۶۴ ج ۱ (۲) حصن حصین صفحہ ۳۳۵

درود شریف۔ استغفار اور دُعا کرنے کے بعد امام اپنی چادر اُلٹائے۔ یہ ایک رنگ میں گویا نیک فال لینا ہے اور تصویری زبان میں اللہ تعالیٰ سے التجاء کرنا ہے کہ اے میرے خُدا جس طرح مَیں نے چادر کو اُلٹا دیا ہے اسی طرح تو قحط سالی کے ناگفتہ بہ اور پریشان کن حالات کو بدل دے[1]

نمازِ استخارہ

ہر اہم دینی اور دنیوی کام شروع کرنے سے پہلے اس کے بابرکت ہونے اور کامیابی کے ساتھ اس سے عُہدہ برآ ہونے کے لئے دُعا کی جائے۔ طَلَبِ خیر کی مناسبت سے اسے "صلوٰۃ الاستخارہ" کہتے ہیں۔ رات سونے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھے جائیں۔ سورہ فاتحہ کے علاوہ پہلی رکعت میں سورۃ کافرون اور دوسری میں سورہ اخلاص پڑھنا مسنون ہے۔ قعدہ میں تشہد۔ درود شریف اور ادعیہ مسنونہ کے بعد عجز و انکسار کے ساتھ مندرجہ ذیل دُعا پڑھنا مسنون ہے:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَ اَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ۔[2]

یعنی اے اللہ مَیں بھلائی چاہتا ہُوں جو تیرے علم میں ہے اور قدرت چاہتا ہوں جو تیری توفیق سے ہی مل سکتی ہے اور مانگتا ہُوں تیرے بڑے فضلوں کو کیونکہ تو طاقت رکھتا ہے اور مَیں طاقت نہیں رکھتا اور تُو جانتا ہے اور مَیں نہیں جانتا اور تُو تمام غیب کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام جو مجھے درپیش ہے (کام کا نام بھی لے سکتا ہے) میرے لئے دین اور دُنیا میں اور انجام کے لحاظ سے بہتر ہے تو اس کو میرے واسطے مقدر فرما اور اس کو میرے لئے آسان کر دے۔ پھر میرے لئے اس میں برکت ڈال دے اور اگر تُو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین اور میری دُنیا کے لئے اور انجام کے لحاظ سے مضر ہے تو اس کو مجھ سے دُور ہٹا دے اور مجھ کو اس سے دُور رکھ اور میرے لئے بھلائی مقدر فرما

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الاستسقاء ص۱۶۴ بھ۲ : بخاری کتاب الدعوات باب الدعاء عند الاستخارۃ
[2] و ترمذی ص۶۳ ، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الاستخارۃ ص۹۹ ؛

جہاں کہیں بھی وہ ہو اور پھر اس بارہ میں مجھے تسکین و رضا عطا فرما۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :۔

”آج کل اکثر مسلمانوں نے استخارہ کی سنّت کو ترک کر دیا ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش آمدہ امر میں استخارہ فرمالیا کرتے تھے۔ سلف صالحین کا بھی یہی طریق تھا۔ چونکہ دہریت کی ہوا پھیلی ہوئی ہے اس لئے لوگ اپنے علم و فضل پر نازاں ہو کر کوئی کام شروع کر لیتے ہیں اور پھر نہاں در نہاں اسباب سے جن کا انہیں علم نہیں ہوتا ہے نقصان اٹھاتے ہیں۔ اصل میں یہ استخارہ ان بدرسومات کی عوض میں رائج کیا گیا تھا جو مشرک لوگ کسی کام کی ابتداء سے پہلے کرتے تھے۔ لیکن اب مسلمان اسے بھول گئے حالانکہ استخارہ سے ایک عقل سلیم عطاء ہوتی ہے جس کے مطابق کام کرنے سے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔“[1]

صلوٰۃ الحاجۃ

اگر کسی شخص کو کوئی حاجت یا ضرورت درپیش ہو کسی سے کوئی کام نکلوانا ہو تو اس کے لئے دُعا کا ایک طریق جو حدیث میں بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اچھی طرح وضوء کر کے دو رکعت نماز پڑھی جائے۔ نماز سے فارغ ہو کر ثناء اور درود پڑھے اور پھر مندرجہ ذیل دُعا مانگے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُمید ہے کہ وہ اس کی ضرورت کے پورا کرنے کے سامان کر دے گا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کا کام ہو جائے گا۔

دُعا یہ ہے :۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ۔ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔[2]

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ حلم والا اور کرم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور عرش عظیم کا مالک ہے۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو رب العٰلمین ہے۔ اے اللہ مَیں تجھ سے تیری رحمت کے سامان چاہتا ہُوں اور تیری مغفرت کے وسائل مانگتا ہوں۔ ہر نیکی سے وافر حصّے اور ہر گناہ سے بچنے کی درخواست کرتا ہُوں۔ میرا کوئی گناہ نہ رہے تُو سب بخش دے۔ کوئی غم نہ رہے تُو سب دُور کر دے اور میری ہر ضرورت جس پر تُو

---

[1]: البدر ۱۳؍ جون ۱۹۰۸ء، فتاویٰ مسیح موعود صفحہ ۱۱۶۔ [2]: ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الحاجۃ صفحہ ۶۳۔

خوش ہے پوری کر دے۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے :

نماز اشراق

نیزہ بھر سورج نکل آنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا اس کے بعد جب دھوپ اچھی طرح نکل آئے اور گرمی کچھ بڑھ جائے تو چار رکعت یا آٹھ رکعت پڑھنا۔ بعض روایات سے ثابت ہے پہلی دو رکعت کو صلوٰۃ الاشراق اور اس کے بعد کی نماز کو صلوٰۃ الضحیٰ کہا گیا ہے۔ صلوٰۃ الاوّابین بھی اسی نماز کا نام ہے۔ بعض کے نزدیک مغرب کے بعد جو نوافل ادا کئے جاتے ہیں انہی نوافل کا دوسرا نام صلوٰۃ الاوّابین[1] ہے بہرحال یہ نفل نماز پڑھنے کا ثواب احادیث سے ثابت ہے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اشراق کی رکعات پر مداومت ثابت نہیں مگر آپ کو جب موقع ملتا آپ انہیں ادا کرتے تھے۔ نماز اشراق کا وقت سورج کے طلوع ہونے اور نیزہ دو نیزہ بلند ہو جانے پر شروع ہوتا ہے اور قریباً دس بجے دن تک رہتا ہے۔ اس کی رکعتیں دو۔ چار۔ آٹھ یا بارہ تک ہیں۔ اس کے مطابق جتنی رکعتیں کوئی چاہے پڑھ لے۔ اس نماز کو صلوٰۃ الاوّابین اور صلوٰۃ الضحیٰ بھی کہتے ہیں۔

اگر کوئی شخص ذرا سویرے اشراق کی نماز چار رکعت پڑھ لے اور پھر نو یا دس بجے کے قریب چار رکعت مزید نفل پڑھے تو اس دوسری نماز کو چاشت کی نماز یا صلوٰۃ الضحیٰ کہیں گے۔ حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق تھا کہ جن دنوں کوئی خاص مصروفیت نہ ہوتی آپ کبھی کبھی صبح کی نماز پڑھ کر مسجد ہی میں تشریف رکھتے اور جب سورج طلوع ہونے کے بعد اتنا بلند ہو جاتا جتنا کہ مغرب سے پہلے عصر کی نماز کے آخری وقت بلند ہوتا ہے۔ یعنی دو اڑھائی نیزہ کے برابر تو آپ چار رکعت نفل ادا فرماتے۔ پھر جب سورج اتنا بلند ہو جاتا جتنا پچھلے پہر ظہر کے آخری وقت میں ہوتا ہے جسے پنجابی میں "چھاویلا" کہتے ہیں تو آپ مزید چار رکعت نفل ادا فرماتے۔ اس حدیث کو ترمذی[2] وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ بہرحال یہ نماز گاہے گاہے کی ہے۔ اس کے لئے کوئی خاص پابندی یا اہتمام ثابت نہیں۔

سوال :۔ کیا نماز اشراق اور اوّابین علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں یا دونوں ایک ہی ہیں اور کس طرح اور کس وقت پڑھی جاتی ہیں؟

---

[1] :۔ قیام اللیل شیخ محمد بن نصر مروزی ص۵۶ ، ص۵۸ :

[2] :۔ ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب کیف کان یتطوع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنہار ص۷۷ :

جواب :۔ نمازِ اشراق ، نمازِ ضحیٰ اور نمازِ اوّابین میں اصولاً کچھ فرق نہیں۔ سب نفلی نماز کے نام ہیں۔ جب سورج اچھی طرح چڑھ آئے اور دھوپ چمک اٹھے تو اشراق کی نماز ادا کی جائے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے :۔

صَلٰوۃُ الْاِشْرَاقِ وَھِیَ رَکْعَتَانِ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْھَا اِذَا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ مِنْ مَّطْلِعِھَا قَیْدَ رُمْحٍ اَوْ رُمْحَیْنِ وَکَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ یَقُوْلُ صَلٰوۃُ الْاِشْرَاقِ ھِیَ صَلٰوۃُ الضُّحٰی ۔ [1]

عَنْ زَیْدِ ابْنِ اَرْقَمَ قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَھْلِ قُبَاءَ وَھُمْ یُصَلُّوْنَ الضُّحٰی فَقَالَ صَلٰوۃُ الْاَوَّابِیْنَ اِذَا رَمَضَتِ الْفِصَالُ مِنَ الضُّحٰی ۔ [2]

تاہم ایک مرسل حدیث سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ مغرب کے بعد اور عشاء سے پہلے جو چھ رکعت نوافل پڑھے جاتے ہیں وہ صلوٰۃ الاوابین ہیں ۔ [3]

صلوٰۃُ التّسبیح

ترمذی اور بعض دوسری کتب حدیث میں صلوٰۃ تسبیح کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ یہ نفلی نماز ہے حسب فرصت و توفیق روزانہ، ہفتہ یا سال یا عمر بھر میں ایک بار اوقات مکروہہ کے علاوہ کسی وقت بھی یہ چار رکعت نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور کوئی دوسری سورۃ پڑھنے کے بعد پندرہ دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ کہے۔ پھر رکوع میں تسبیحات کے بعد یہی ذکر دس بار دہرائے پھر رکوع سے کھڑے ہو کر تسمیع و تحمید کے بعد پھر ہر سجدہ میں تسبیحات کے بعد۔ پھر دعائے بین السجدتین کے بعد۔ اس کے علاوہ ہر رکعت کے دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھ کر دس دس دفعہ یہی مندرجہ بالا ذکر کرے۔ اس طرح گویا ایک رکعت میں پچھتر بار اور چار رکعتوں میں تین سو بار یہ ذکر دہرایا جائے گا۔ [4]

نوافل کے بارہ میں یہ اصول ہمیشہ مدنظر رہنا چاہیئے کہ ان کی اہمیت فرائض کے بعد ہے اور ان کا

---

[1] :۔ کشف الغمہ ص۲۱۳ ؛ [2] :۔ مسلم کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الاوّابین حین ترمض الفصال ص۲۸۷ ؛
[3] :۔ نیل الاوطار باب ماجاء فی الصلاۃ بین العشاءین ص۵۵ ؛ [4] :۔ ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ التسبیح ص۶۳ ؛

فائدہ تبھی ہے جبکہ انسان حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق ہر قسم کے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے والا نہ ہو۔ بہرحال صلوٰۃ التسبیح ایک نفل نماز ہے چاہے کوئی پڑھے چاہے نہ پڑھے۔

سوال:۔ کیا صلوٰۃ التسبیح باجماعت ادا کی جاسکتی ہے؟

جواب:۔ جہاں تک صلوٰۃ التسبیح کا تعلق ہے احادیث سے اس کا جواز ثابت ہے بلکہ اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ لیکن یہ ایک انفرادی اور خلوت کی نماز ہے اس کے لئے جماعت نہ مسنون ہے نہ معروف۔ حضور علیہ السلام کے صحابہ یا آپ کے بروز کامل حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا آپ کے خلفاء وصحابہ نے اس نماز کے باجماعت ادا کرنے کو کبھی پسند نہیں کیا۔ اس لئے یہ نماز اسی حد کے اندر رہ کر ادا کرنی چاہیئے جس حد کی وضاحت احادیث میں آئی ہے۔

سوال:۔ نماز تسبیح اور قضاء عمری میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ نماز تسبیح اور قضاء عمری میں سند کے لحاظ سے تو یہ فرق ہے کہ نماز تسبیح کی سند صحاح ستہ میں موجود ہے۔ گو درجہ کے لحاظ سے وہ دوسری احادیث کے مقابلہ میں کمزور ہے۔ لیکن قضاء عمری کی کوئی معتبر سند موجود نہیں۔ دوسرے نماز تسبیح میں ایسا کوئی تصور نہیں کہ یہ فرائض کے قائمقام ہے لیکن قضاء عمری کے پس منظر میں یہ تصور ہے کہ یہ فوت شدہ فرائض کا ٹھیک ٹھیک مداوا ہے۔ حالانکہ شرعی اصول کے لحاظ سے یہ ایک بالکل غلط تصور ہے۔

سجدۂ تلاوت

قرآن کریم کی مندرجہ ذیل چودہ آیات میں سے کسی ایک کی تلاوت کرتے وقت یا سنتے وقت انسان خواہ کھڑا ہو یا بیٹھا اُسے سجدہ میں گر جانا چاہیئے۔ اس طرح سجدہ کرنے کو سجدۂ تلاوت کہتے ہیں۔ یہ سجدہ جتنا جلدی بجالایا جاسکے اُتنا ہی اچھا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے لئے وضو کا ہونا بھی کوئی ایسا ضروری نہیں۔ اس سجدہ میں تسبیحات مسنونہ کے علاوہ یہ دُعا پڑھنا احادیث میں مروی ہے:۔

سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ [1]

میرا چہرہ سجدہ ریز ہے اس ذات کے سامنے جس نے اِسے پیدا کیا اور اپنی قدرتِ خاص سے اسے سننے اور دیکھنے کی قوت عطا کی۔

نیز یہ دُعا بھی پڑھ سکتا ہے:۔

اَللّٰهُمَّ سَجَدَ لَكَ سَوَادِيْ وَاٰمَنَ بِكَ فُؤَادِيْ ۔ یا

[1]:۔ ترمذی باب مایقول فی سجود القرآن صفحہ ۱۸۰/۱

سَجَدَ لَكَ رُوْحِیْ وَ جَنَانِیْ ۔

امام الصلوٰۃ اگر نماز میں یا نماز کے بعد سجدۂ تلاوت کرے تو مقتدی بھی ساتھ سجدہ کریں ۔آیات سجدہ کی نشان دہی درج ذیل ہے :۔

(۱) وَ یُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ یَسْجُدُوْنَ ۔ (سورۃ اعراف : ۲۰۶)

(۲) بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (سورۃ رعد : ۱۶) (۳) وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۔ (سورۃ نحل : ۵۱)

(۴) وَ یَزِیْدُهُمْ خُشُوْعًا ۔ (بنی اسرائیل : ۱۱۰) (۵) خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِیًّا ۔ (مریم : ۵۹)

(۶) اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ (حج : ۱۹) بعض کے نزدیک سورہ حج میں دو سجدے ہیں دوسرا سجدہ ذیل کی آیت پر ہے :۔وَافْعَلُوْا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ (حج : ۷۸)

(۷) وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۔ (الفرقان : ۶۱) (۸) هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۔ (نمل : ۲۶)

(۹) وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ۔ (السجدہ : ۱۶) (۱۰) خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ ۝ (ص : ۲۵)

(۱۱) وَهُمْ لَا یَسْـَٔمُوْنَ ۝ (حٰمٓ سجدہ : ۳۹) (۱۲) فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْهُ ۔ (نجم : ۶۳)

(۱۳) لَا یَسْجُدُوْنَ (سورۃ انشقاق : ۲۲) (۱۴) وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۔ (سورۃ علق : ۲۰)

سوال :۔ نماز کے دوران سجدہ تلاوت کس طرح کیا جائے ؟

جواب :۔ سجدہ تلاوت کرنے کا طریق یہ ہے کہ جونہی آیت سجدہ کی تلاوت ختم ہو اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں گر جائے ۔تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہے چاہے تو اور کوئی دعا کرے جیسا کہ بعض ادعیہ کا ذکر ہو چکا ہے ۔ اس کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ سے اُٹھے ۔

نماز میں اگر آیت سجدہ کی تلاوت کی جائے تو آیت پڑھتے ہی سجدہ کیا جائے لیکن یہ بھی جائز ہے کہ آیت ختم کرتے ہی رکوع میں چلا جائے اس صورت میں یہ رکوع اس سجدۂ تلاوت کا بدل بن جائے گا۔ اگر ایک وقت یا ایک مجلس میں ایک آیت سجدہ کو کئی بار دہرائے یا مختلف آیات سجدہ پڑھے تو سب کے لئے ایک سجدہ کافی ہوگا ۔لیکن اگر ہر آیت پڑھنے کے بعد جگہ بدل لے یا وقفہ کے بعد مختلف اوقات میں پڑھے تو پھر ہر قرأت کے لئے الگ سجدہ کرنا چاہیئے ۔

سوال :۔ سجدہ تلاوت کے بارہ میں کیا حکم ہے ؟

جواب :۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سجدۂ تلاوت واجب ہے ۔ دیگر ائمہ مثلاً امام شافعیؒ ۔امام مالکؒ کے نزدیک سنّت ہے ۔ اس سلسلہ میں بخاری کی مندرجہ ذیل روایات قابل غور ہیں :۔

عَنْ عُمَرَؓ اَنَّهٗ قَرَاَ عَلَى الْمِنْبَرِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ سُوْرَةَ النَّحْلِ حَتّٰی جَآءَ

السَّجْدَةَ فَنَزَلَ فَسَجَدَ وَسَجَدَ النَّاسُ حَتَّى إِذَا كَانَتِ الْجُمُعَةُ
الْقَابِلَةُ قَرَأَ بِهَا حَتَّى إِذَا جَاءَ سَجْدَةً قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا نَمُرُّ
بِالسُّجُودِ فَمَنْ سَجَدَ فَقَدْ أَصَابَ وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْ فَلَا اثم عليه
ولم يسجد عُمَرُ وَزَادَ نَافِع عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ اللهَ لَمْ يَفْرِضِ
السُّجُودَ إِلَّا أَنْ نَشَاءَ [1]

---

[1] بخاری باب من رای ان اللہ عزوجل لم یوجب السجود ص۱۴۷ جلد اوّل

آدابِ مسجد

مسجد خدا کا گھر ہے اس میں نماز اور ذکر الٰہی ہونا چاہیئے۔ دنیوی معاملات سے متعلق باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ اسی طرح شور بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ مساجد صاف ستھری ہوں صفیں پاک ہوں مسجد میں خوشبو جلانا بھی مستحسن ہے۔ اسی طرح مسجد میں صاف کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر جانا پسندیدہ ہے اور کوئی ایسی چیز نہیں کھا کر جانا چاہیئے جس سے بُو آتی ہو مثلاً پیاز۔ لہسن اور مولی وغیرہ [1]

مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دُعا یہ ہے:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔

اللہ کے نام کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلامتی ہو۔ اے میرے اللہ میرے گناہ بخش اور میرے لئے اپنی رحمت اور فضل کے دروازے کھول دے [2]

سوال:۔ مسجد زیر تعمیر ہے۔ کیا عورتوں کے لئے مسجد کے دائیں پہلو جگہ بنائی جائے یا بائیں پہلو؟

جواب:۔ اصل حکم جو احادیث سے ثابت ہے اور ائمہ فقہ میں متفق علیہ ہے وہ یہ ہے کہ عورتوں کی صفیں مَردوں کی صفوں کے پیچھے ہوں لیکن ایسا کرنے میں اگر کوئی دقت ہو اور پیچھے کی بجائے پہلو میں جگہ متعین کرنی پڑے تو پھر مَردوں کی صفوں سے بائیں جانب جگہ متعین کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔ گو یہ ضروری نہیں۔ سابق ائمہ یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عورتوں کی صف پہلو میں بنانے کے بارہ میں کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

قادیان کی مسجد اقصیٰ میں عورتوں کی صف بائیں جانب اور مسجد مبارک میں دائیں جانب ہوا کرتی تھی۔ اور اب ربوہ کی مسجد مبارک میں بائیں جانب اور مسجد اقصیٰ میں اُوپر کی گیلری میں پیچھے اور دائیں و بائیں صفیں بنتی ہیں۔

---

[1] :۔ مسلم کتاب الصلوٰۃ باب نھی من اکل ثوما او بصلا او کراثا او نحوھا۔ صـ۲۰۹ مصری۔

[2] :۔ ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ما یقول عند دخوله المسجد صـ۴۳۔

سوال :۔ کیا مسجد کا صحن مسجد کا حصّہ ہوتا ہے ؟

جواب :۔ جس جگہ کی حد بندی اس غرض سے کر دی جائے کہ یہ مسجد ہے یہاں لوگ نماز پڑھیں اور اس کی عام اجازت ہو اور لوگ اس جگہ میں نماز پڑھنا شروع کر دیں تو یہ جگہ مسجد کہلائے گی مسجد کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس پر چھت بھی ہو۔ مسجد حرام جو سب سے بڑی اور افضل ترین مسجد ہے اس کا اکثر حصّہ بصورت صحن چھت کے بغیر ہے۔ حدیثوں میں آتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض اوقات مسجد کے صحن میں خیمے نصب کرکے ان میں رہائش اختیار کی جاتی تھی۔ جیسا کہ حضرت سعد بن معاذ کے لئے جبکہ وہ جنگ میں زخمی ہو گئے تھے مسجد میں خیمہ نصب کیا گیا تھا[1]

ظاہر ہے کہ یہ خیمہ چھت والے حصّہ کے اندر نصب نہیں کیا گیا تھا۔ اسی طرح مسلمانوں کا چودہ سو سالہ تعامل اس امر کی واضح دلیل ہے کہ صحن مسجد کا ہی حصّہ ہے۔

سوال :۔ جیسا کہ عام مسلمانوں کا معمول ہے کہ جہاں بھی کچھ عرصہ قیام کریں اس جگہ جائے نماز (مسجد) عارضی طور پر تجویز کر لیا کرتے ہیں۔ کیا ایسی جگہ مستقل مسجد کا حکم رکھتی ہے اور اس کی خرید و فروخت منع ہے ؟

جواب :۔ مسجد جس کی خرید و فروخت منع ہے وہ، وہ ہے جو باقاعدہ پبلک مسجد ہو۔ اُسے بنانے والے نے اپنے مِلک سے نکال کر وقف عام کیا ہو اور قومی ملکیّت میں آکر ہر شخص کا حق اس پر قائم ہو چکا ہو۔ لیکن جو جائے نماز عارضی طور پر بنائی گئی ہے وہ باقاعدہ مسجد نہیں۔ ضرورت پڑنے پر اُسے گرایا جا سکتا ہے اور فروخت بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔ حکومت کی ملکیّت پبلک جگہ میں جو مسجد بنائی جائے اس کے لئے حکومت سے اجازت حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ ورنہ وہ باقاعدہ مسجد نہ ہوگی۔ اور حکومت کو اُسے ضبط کر لینے کا اختیار ہوگا۔ کیونکہ مالک کی اجازت کے بغیر کسی کی زمین پر قبضہ ناجائز متصور ہوتا ہے۔

مسجد کی جگہ تبدیل کرنا

سوال :۔ کیا بے آباد مسجد کو گرا کر اس جگہ کوئی اور عمارت تعمیر کر سکتے ہیں۔ کیا مسجد کی جگہ تبدیل ہو سکتی ہے ؟

جواب :۔ اہم ضرورت اور عوام کی سہولت کے پیشِ نظر مقامی جماعت کے فیصلہ اور مرکز کی اجازت

---

[1] :۔ بخاری کتاب المغازی باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب ص ۵۹۱/۲ ؎

کے بعد مسجد کی جگہ تبدیل کرنا اور اُس کے ملبہ کو فروخت کرکے اسے مسجد کی ضروریات میں صرف کرنا جماعت احمدیہ کے مسلک کے مطابق جائز ہے کیونکہ مفادِ عامہ اور نمازیوں کی جائز سہولت کو بہرحال ترجیح حاصل ہے۔

سابق ائمہ اور علماء میں اس کے متعلق اختلاف ہے۔ عام حنفیوں کا خیال یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں خواہ آبادی کے منتقل ہوجانے کی وجہ سے مسجد ویران ہی کیوں نہ ہوگئی ہو۔ ان کی بنیاد یہ حدیث ہے :۔

"لَا یُبَاعُ اَصْلُهَا وَلَا تُبْتَاعُ وَلَا تُوْهَبُ وَلَا تُوْرَثُ ۔[1]

حنبلی یعنی امام احمد بن حنبلؒ کے متبعین اسے جائز سمجھتے ہیں۔ حنفی ائمہ میں سے امام محمدؒ بھی اس رائے سے متفق ہیں۔ مزید حوالے درج ذیل ہیں :۔

الف :۔ اِنَّ عُمَرَ کَتَبَ اِلٰی سَعْدٍ لَمَّا بَلَغَهٗ اَنَّهٗ قَدْ نُقِبَ بَیْتُ الْمَالِ الَّذِیْ بِالْکُوْفَةِ اُنْقُلِ الْمَسْجِدَ الَّذِیْ بِالتَّمَارِیْنَ وَاجْعَلْ بَیْتَ الْمَالِ فِیْ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ فَاِنَّهٗ لَنْ یَزَالَ فِی الْمَسْجِدِ مُصَلٍّ وَکَانَ هٰذَا بِمَشْهَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَلَمْ یَظْهَرْ خِلَافُهٗ فَکَانَ اِجْمَاعًا۔[2]

ب :۔ قَالَ الْحَنَابِلَةُ اِذَا انْتَقَلَ اَهْلُ الْقَرْیَةِ عَنِ الْمَسْجِدِ وَصَارَ فِیْ مَوْضِعٍ لَا یُصَلّٰی فِیْهِ اَوْضَاقَ بِاَهْلِهٖ وَلَمْ یُمْکِنْ تَوْسِیْعُهٗ وَلَا عِمَارَةُ بَعْضِهٖ اِلَّا بِبَیْعِ بَعْضِهٖ جَازَ ۔ وَاِنْ لَمْ یَکُنِ الْاِنْتِفَاعُ بِشَیْءٍ اِلَّا بِبَیْعٍ یُبَاعُ ۔[3]

ج :۔ مَسْجِدٌ اِنْتَقَلَ اَهْلُ الْقَرْیَةِ عَنْهُ وَصَارَ فِیْ مَوْضِعٍ لَا یُصَلّٰی فِیْهِ اَوْضَاقَ بِاَهْلِهٖ وَلَمْ یَکُنْ تَوْسِیْعُهٗ فِیْ مَوْضِعِهٖ اَوْ تَشَعَّبَ جَمِیْعُهٗ فَلَا تُمْکِنُ عِمَارَتُهٗ وَلَا عِمَارَةُ بَعْضِهٖ اِلَّا بِبَیْعِ بَعْضِهٖ جَازَ بَیْعُ بَعْضِهٖ لِتُعْمَرَ بِهٖ بَقِیَّتُهٗ وَاِنْ لَمْ یَکُنِ

---

[1] :۔ المغنی لابن قدامہ ص۶۰۲ جلد ۵ ؛ [2] :۔ المغنی باب الوقف ص۵۵۵ جلد ۵

[3] :۔ الاحوال الشخصیۃ علی مذاهب الخمسہ ص۳۲۹ مؤلفہ محمد جواد مغنیہ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۴ء ؛

اَلْاِنْتِفَاعُ بِشَیْءٍ مِّنْہُ بَیْعَ جَمِیْعِہٖ ۔ [1]

د :۔ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ اِذَا خَرِبَ الْمَسْجِدُ اَوِالْوَقْفُ عَادَ اِلٰی مِلْکِ وَاقِفِہٖ لِاَنَّ الْوَقْفَ اِنَّمَا ھُوَ تَسْبِیْلُ الْمَنْفَعَۃِ فَاِذَا زَالَتْ مَنْفَعَتُہٗ زَالَ حَقُّ الْمَوْقُوْفِ عَلَیْہِ مِنْہُ فَزَالَ مِلْکُہٗ عَنْہُ [2]

مسجد کی جگہ یا مسجد کا ملبہ فروخت کرنے کی ممانعت کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس طرح کہیں مسجد کے اموال پر ناجائز تصرف کی راہ نہ کھل جائے۔ لیکن اگر اس قسم کا کوئی خدشہ نہ ہو اور مسجد کا ملبہ جماعت کے باہمی مشورہ سے فروخت کیا جائے اور اس کا فروخت کرنا مسجد کے لئے سودمند ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ کوئی گناہ ہے۔

سوال :۔ ایک شخص نے مسجد بنانے کے لئے جگہ دی لیکن اُسے مسجد کی بجائے عام بیٹھنے کی جگہ بنا دیا گیا۔ کیا یہ جائز ہے؟

جواب :۔ جو زمین مسجد کی غرض سے دی گئی ہے وہ مسجد کے لئے ہی صرف ہونی چاہیئے اور مرکز کی اجازت کے بغیر اسے کسی اور اجتماعی مقصد کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ خصوصاً جبکہ ہبہ کنندہ اس کے لئے راضی بھی نہ ہو۔

سوال :۔ ایک عورت نے مسجد بنانے کے لئے زمین دی۔ مسجد وہاں پر تعمیر ہوئی لیکن اب وہ گر چکی ہے۔ اس جگہ کی بجائے اب قریب ہی کھلی جگہ میں مسجد بنائی گئی ہے۔ کیا پہلی مسجد کی جگہ میں مُعلّم کے لئے کوارٹر بنا سکتے ہیں؟

جواب :۔ صورت مذکورہ کے مطابق اس جگہ پر جہاں مسجد تھی اور اب گر گئی ہے اور اس کی بجائے دوسری جگہ مسجد بنالی گئی ہے مقامی جماعت کے باہمی مشورہ اور مرکز سے اجازت حاصل کرنے کے بعد اس قسم کی کوئی عمارت تعمیر کی جا سکتی ہے جو اجتماعی مقاصد کے کام آئے مثلاً سکول یا لائبریری کے لئے یا معلّم اور مربّی کی رہائش کے لئے اُسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئی شرعی روک نہیں ہے۔

سوال :۔ ہمارے گاؤں میں ہماری مسجد بہت چھوٹی اور کچّی ہے۔ چھوٹی اتنی کہ بمشکل ایک صف ہی بنتی ہے۔ اب لوگوں نے صلاح و مشورہ سے یہ طے کیا ہے کہ یا تو اس مسجد کو ہی پکّا بنایا جائے یا پھر باہر دوسری جگہ پر بڑی مسجد بنائی جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا مسجد کی یہ جگہ کسی اور کام میں لائی جا سکتی ہے یا نہیں؟

---

[1] المغنی لابن قدامہ باب الوقف ص۵۸۵ جلد ۵ ؛ [2] المغنی لابن قدامہ ص۵۸۵ ؛ الاحوال الشخصیۃ علی المذاہب الخمسہ ص۳۳۰ ؛

جواب :۔ یہ خیال درست نہیں کہ جس جگہ ایک دفعہ مسجد بن جائے اس جگہ کو پھر کبھی بھی خواہ کیسے ہی حالات درپیش ہوں کسی اور غرض کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ اصل خرابی جس کو روکنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ اس قسم کے بہانے سے ایسی جگہ کے غلط استعمال کا راستہ نہ کھلے۔ یا لوگوں کی مرضی کے خلاف کارروائی کرنے کی کوئی صورت پیدا نہ ہو۔ اگر کوئی جائز وجہ موجود ہے مثلاً جگہ تنگ ہے اور وسیع جگہ میں مسجد تعمیر کرنے کی ضرورت ہے اور اس مسجد سے تعلق رکھنے والے لوگ اس تبدیلی پر راضی ہیں اور مرکز سے اس تبدیلی کی اجازت حاصل کرلی گئی ہے اور فتنہ کے اُٹھنے کا کوئی موقعہ ممکن نہیں تو ایسی تبدیلی شرعاً جائز ہے اور پہلی مسجد کی جگہ کو حسبِ حالات کسی اور قومی یا انفرادی مصرف میں لایا جاسکتا ہے۔

سوال :۔ موجودہ احمدیہ مسجد حاضری کے لحاظ سے ناکافی ہے اس کے اردگرد غیر احمدی آباد ہیں کیا ہم یہ مسجد غیر احمدیوں کو مفت دیدیں یا ان سے کچھ رقم وصول کرکے نئی مسجد میں خرچ کریں یا اس مسجد کو مبلغ کے لئے رہائشی کوارٹر میں تبدیل کردیں اور اپنے لئے نئی مسجد بنالیں ؟

جواب :۔ مقامی جماعت کی رضامندی اور مرکز کی اجازت سے یہ مسجد دوسرے عام مسلمانوں کے حوالے کرسکتے ہیں۔ بہتر ہے کہ بلا معاوضہ دی جائے ہاں اگر وہ از خود احمدیوں کی زیر تعمیر مسجد میں مدد کرنا چاہیں تو ایسی امداد لینے میں کوئی حرج نہیں۔

مسجد کا ایک حصّہ مکان میں ملانا

ایک شخص نے مکان کے ایک حِصّہ کو مسجد بنایا اور اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ تو کیا اس جگہ کو مکان میں ملایا جاسکتا ہے ؟

حضرت اقدس نے فرمایا :۔ "ہاں ملا لیا جاوے"۔ [1]

سوال :۔ مسجد کا ایک حِصّہ اس طرح سے الگ کرنا جائز ہے کہ اس میں عورتیں مخصوص ایام میں بھی آسکیں اور اس حِصّہ میں اپنا اجلاس کرسکیں ؟

جواب :۔ اگر تو شروع تعمیر سے ہی یہ صورت ہے تو پھر جائز ہے لیکن اگر پہلے سارے حِصّے بطور مسجد استعمال ہوتے اور مسجد محسوب ہوتے تھے اور بعد میں یہ صورت کی گئی ہے تو خلیفۂ وقت کی خاص اجازت کے بغیر ایسی تبدیلی جائز نہیں۔

---

[1] :۔ الحکم ۱۷ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

مسجد اور رہائشی کوارٹر

سوال :۔ مسجد کے صحن کے ایک حصہ میں امام الصلوٰۃ کے لئے بالاخانہ کے طور پر کوارٹر بنانا جائز ہے؟

جواب :۔ اگر ضرورت واضح ہو اور اس کے بغیر مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہو تو مسجد کے صحن کے ایک حصہ کے اُوپر امام کے لئے بالاخانہ کی طرز کا رہائشی کوارٹر بنانا جائز ہے بشرطیکہ کوارٹر میں آنے جانے کا راستہ مسجد کے صحن میں سے نہ گذرے۔

اسی طرح اس کا پرنالہ وغیرہ بھی دوسری طرف ہو۔ چنانچہ اس بارہ میں فقہائے حنفیہ کی یہ رائے بیان کی گئی ہے:۔

لَوْ بَنَىٰ فَوْقَهُ (اَىْ فَوْقَ الْمَسْجِدِ) بَيْتًا لِلْإِمَامِ لَايَضُرُّ لِاَنَّهُ مِنَ الْمَصَالِحِ۔ [1]

اسی طرح ھدایہ میں ہے :۔

عَنْ اَبِىْ يُوْسُفَ اَنَّهُ جَوَّزَ (بِنَاءَ الْبَيْتِ) فِى الْوَجْهَيْنِ (اَىْ فَوْقَ الْمَسْجِدِ وَتَحْتَهُ) حِيْنَ قَدِمَ الْبَغْدَادَ وَرَاٰى ضِيْقَ الْمَنَازِلِ فَكَاَنَّهُ اِعْتَبَرَ الضَّرُوْرَةَ وَعَنْ مُحَمَّدٍ حِيْنَ دَخَلَ الرَّىْ جَازَ ذٰلِكَ كُلُّهُ لِمَا قُلْنَا۔ [2]

سوال :۔ کیا مساجد کو بے حرمتی سے بچانے کے لئے گرا دینا جائز ہے؟

جواب :۔ اگر ایسے حالات موجود ہوں کہ کسی جگہ کو آباد نہ رکھا جا سکتا ہو مثلاً مسلمان اس جگہ کو کسی وجہ سے چھوڑ آئے ہوں اور مسجد ویران ہو گئی ہو یا اس بات کا خدشہ ہو کہ عدم نگرانی و حفاظت کی وجہ سے غیر مسلم مسجد کی بے حرمتی کریں گے تو ایسی صورت میں مرکز یا مقامی جماعت کے مشورہ سے مسجد کو مسمار کیا جا سکتا ہے اور اس کا ملبہ دوسری مساجد کی تعمیر کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔ نیز یہ بھی جائز ہے کہ اس ملبہ کو فروخت کر کے اس کی رقم دوسری آباد مسجد کے مصارف میں خرچ کی جائے۔

علماء نے مسجد یا دوسری وقف جائیدادوں میں اس قسم کے تصرف سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ تا اس طرح کہیں مسجد کے اموال میں ناجائز تصرف کی راہ نہ کھل جائے۔ لیکن اگر یہ وجہ نہ ہو بلکہ ضرورت اور مجبوری واضح ہو اور مقامی جماعت کی درخواست پر مرکز اس کی اجازت دے تو

---

[1] : حاشیہ ردّ المختار ص۴۷ ؛ [2] ھدایہ اوّلین کتاب الوقف ص۶۰۸ مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور ۱۳۴۸ھ ؛

اس قسم کی تبدیلی میں کوئی امر شرعی روک نہیں۔

فقہائے امت نے ایسی تبدیلی کے بارہ میں جس خدشہ کا اظہار کیا ہے اس کی بنیادی وجہ وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے کہ اس طرح کی اجازت سے متولی یا دوسرے کسی متغلب کے لئے ناجائز تصرف کا راستہ نہ کھل جائے۔ چنانچہ حنفیوں کی مشہور کتاب بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے۔

نُقِلَ عَنِ الشَّيْخِ الْإِمَامِ الْحُلْوَانِيْ فِي الْمَسْجِدِ وَالْحَوْضِ إِذَا خَرِبَ لَا يُحْتَاجُ إِلَيْهِ لِتَفَرُّقِ النَّاسِ عَنْهُ إِنَّهُ تُصْرَفُ أَوْقَافُهُ إِلَى مَسْجِدٍ آخَرَ وَحَوْضٍ آخَرَ۔ [1]

وَفِي الْقُنْيَةِ ...... لَوْ خَرِبَ أَحَدُ الْمَسْجِدَيْنِ فِي قَرْيَةٍ وَاحِدَةٍ فَلِلْقَاضِيْ صَرْفُ خَشَبِهِ إِلَى عِمَارَةِ الْمَسْجِدِ الْآخَرِ۔ [2]

قَالَ مُحَمَّدٌ إِذَا خَرِبَ وَلَيْسَ لَهُ مَا يُعْمَرُ بِهِ وَقَدِ اسْتَغْنَى النَّاسُ عَنْهُ لِبِنَاءِ مَسْجِدٍ آخَرَ أَوْ لِخَرَابِ الْقَرْيَةِ أَوْ لَمْ يَخْرَبْ وَلٰكِنْ خَرِبَتِ الْقَرْيَةُ بِنَقْلِ أَهْلِهَا وَاسْتَغْنَوْا عَنْهُ فَإِنَّهُ يَعُوْدُ إِلَى مِلْكِ الْوَاقِفِ أَوْ وَرَثَتِهِ۔ [3]

سوال:۔ کچی مسجد کے بالے کیا فروخت کئے جا سکتے ہیں یا دریا میں ڈال دینا چاہئیں یا دفن کر دینا چاہئیں؟

جواب:۔ مسجد کا قیمتی ملبہ دریا میں ڈالنا یا دفن کرنا اسلامی ہدایت کے مطابق درست نہیں اسے دوسری مساجد کے مقاصد میں استعمال کیا جا سکتا ہے اور مقامی مجلس عاملہ کے فیصلہ اور مرکز کی منظوری سے اسے فروخت کر کے اس کی قیمت اغراض مسجد میں صرف کی جا سکتی ہے اس میں کوئی شرعی روک نہیں۔ [4]

سوال:۔ مسجد میں قریباً یکصد اینٹ پختہ ہے کسی کو یہ اینٹیں اس شرط پر دی جا سکتی ہیں کہ جب مسجد کا کام شروع ہوگا تو اینٹیں یا قیمت دے دے گا؟

---

[1]:۔ بحر الرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المساجد ص۲۵۲ ج۵ ؛ [2]:۔ بحر الرائق ص۲۵۳ ج۵ ؛ [3]:۔ بحر الرائق ص۲۵۱ ج۵ ؛

[4]:۔ بحر الرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المساجد ص۲۵۱ ج۵ ؛

جواب :۔ مسجد چونکہ وقف ہے اور مقامی جماعت بصورت متولی اس کی نگران ہے اس لئے اس میں ہر ضروری تصرّف کے لئے مقامی جماعت باہمی مشورہ کے ساتھ مسجد کی عمارت کی بہتری کیلئے کوئی مناسب فیصلہ کر سکتی ہے۔

اگر تعمیر کے لئے پختہ اینٹیں پڑی ہوئی ہوں لیکن تعمیر شروع ہونے میں دیر ہو اور ان اینٹوں کے ضائع چلے جانے کا خدشہ ہو اور ان کو بیچ دینے یا کسی کو ادھار دے دینے میں مسجد کا فائدہ ہو تو مذکورہ اصول کے مطابق ان اینٹوں کو بیچا جا سکتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ اینٹیں اس شرط پر کسی دوسرے دوست کو دے دی جائیں کہ تعمیر شروع ہونے پر وہ اینٹیں خرید کر مسجد کو واپس کر دے گا۔

کسی مسجد کے لئے چندہ

سوال :۔ ہم ایک مسجد بنانا چاہتے ہیں اور تبرکاً آپ سے بھی چندہ چاہتے ہیں ؟

جواب :۔ حضرت اقدس نے فرمایا :۔ "ہم تو دے سکتے ہیں اور یہ کچھ بڑی بات نہیں مگر جبکہ خود ہمارے ہاں بڑے بڑے اہم اور ضروری سلسلے خرچ کے موجود ہیں جن کے مقابل میں اس قسم کے خرچوں میں شامل ہونا اسراف معلوم ہوتا ہے تو ہم کس طرح سے شامل ہوں۔ یہاں جو مسجد خدا بنا رہا ہے اور وہی مسجد اقصیٰ ہے وہ سب سے مقدم ہے۔ اب لوگوں کو چاہیئے کہ اس کے واسطے روپیہ بھیج کر ثواب میں شامل ہوں۔ ہمارا دوست وہ ہے جو ہماری بات کو مانے نہ وہ کہ جو اپنی بات کو مقدم رکھے۔

حضرت امام ابوحنیفہ کے پاس ایک شخص آیا کہ ہم ایک مسجد بنانے لگے ہیں آپ بھی اس میں کچھ چندہ دیں۔ انہوں نے عذر کیا کہ میں اس میں کچھ نہیں دے سکتا حالانکہ وہ چاہتے تو بہت کچھ دیتے۔ اس شخص نے کہا کہ ہم آپ سے بہت نہیں مانگتے صرف تبرکاً کچھ دے دیجئے۔ آخر انہوں نے ایک دو آنے کے قریب سکّہ دیا۔ شام کے وقت وہ شخص دو آنے لے کر واپس آیا اور کہنے لگا کہ حضرت یہ تو کھوٹے نکلے ہیں وہ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا خوب ہوا۔ دراصل میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ میں کچھ دوں۔ مسجدیں بہت ہیں اور مجھے اس میں اسراف معلوم ہوتا ہے۔" [۱]

سوال :۔ کیا احمدی تعمیر مسجد کے لئے دوسرے مسلمانوں یا غیر مسلموں سے چندہ لے سکتے ہیں ؟

جواب :۔ اپنے آپ کو خواہ مخواہ دوسروں سے مانگنے والوں میں شامل نہیں کرنا چاہیئے اپنی کوشش سے

---

[۱] :۔ الحکم ۲۴ ؍مئی ۱۹۰۱ء ؁

ضرورت کے مطابق مسجد بنائی جائے۔ نیز مسجد کا شاندار ہونا یا ضرورت سے بڑی عمارت کا ہونا۔ یا پختہ ہونا ضروری نہیں۔ بہرحال اپنے پر بھروسہ کرنے کی عادت ڈالنی چاہیئے تاہم ضرورت اور مجبوری کے حالات کے لحاظ سے مندرجہ ذیل حوالے جواز کی سندبن سکتے ہیں:۔

I "۱۹۰۹ء۔ محترم منشی فرزند علی خانصاحب سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ آپ نے ایک مقامی رئیس منشی کرم الٰہی صاحب کو جن کی ایک مسجد ویران پڑی رہتی تھی تحریک کی کہ وہ اپنی مسجد جماعت احمدیہ کو عنایت کر دیں۔ چنانچہ حسب ذیل چٹھی ان کو بھجوائی گئی۔ ..... "آپ کے والد صاحب مرحوم کی مسجد کی غیر آباد حالت دیکھ کر مجھے آپ کی خدمت میں اس درخواست کے پیش کرنے کی جرأت ہوئی ہے کہ آپ فیروزپور کی جماعت احمدیہ کو اس مسجد کے آباد کرنے کی اجازت فرما دیں"۔

اس کا جواب اس رئیس کی طرف سے یہ ملا کہ چونکہ یہ مسجد میرے بزرگوار کی تعمیر کروائی ہوئی ہے اور میں تا اس دم اس کا متولی ہوں۔ میں بڑی خوشی سے آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ کے ہم خیال لوگ اس میں نماز پڑھیں اور اس کو آباد کریں۔ اور شکست کی مرمت کروائیں۔ میری طرف سے اور دیگر مسلمانوں کی طرف سے آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ میں بہت خوش ہوں کہ یہ خانۂ خدا آباد ہو۔ یہ چند سطور بطور اجازت نامہ لکھ دیتا ہوں تا کہ سند رہے۔ والسلام

جب اس کارروائی کی اطلاع مرکز میں پہنچی تو الحکم جلد ۱۳ نمبر ۲۴ میں یہ نوٹ شائع ہوا "منشی فرزند علی صاحب ایک قابل اور ہونہار نوجوان ہیں انجمن حمایت اسلام کے لئے آپ نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ میں ابھی تھوڑے عرصہ سے داخل ہوئے ہیں اور آپ کی سعی اور ہمت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ فیروزپور کو ایک مسجد عطاء کر دی"۔ [۱]

II ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا گردوارے کی اینٹیں مسجد کی تعمیر میں استعمال کی جا سکتی ہیں جبکہ سکھوں نے ایسا کرنے کی اجازت دے دی ہے؟

فرمایا۔ اگر سکھوں نے اجازت دے دی ہے تو بے شک یہ اینٹیں مسجد میں استعمال کی جا سکتی ہیں لیکن اگر انہوں نے اجازت نہ دی ہو تو پھر انہیں استعمال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کسی چیز کو بغیر اس کے مالکوں کی اجازت کے استعمال کرنا اسلام میں منع ہے"۔ [۲]

۱:۔ الفضل ۲۸ جولائی ۱۹۶۲ء ٭ ۲:۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۴۸ء لاہور ٭

سوال :- کیا زکوٰۃ کی رقم سے مسجد بنوائی جا سکتی ہے؟

جواب :- بہتر تو یہی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مسجد کی تعمیر و مرمت پر خرچ نہ کی جائے۔ تاہم "زکوٰۃ افراد کے علاوہ ایسے مُفید اداروں کو بھی دی جا سکتی ہے جو کہ پبلک کے فائدہ کے لئے ہوں اور عام پبلک ان سے فائدہ اٹھا سکتی ہو۔ یا خاص گروہ پبلک کا جو کہ انفرادی طور پر زکوٰۃ کا مستحق ہے فائدہ اُٹھا سکتا ہو جیسے یتیم خانے۔ غریب خانے مساجد۔ ہسپتال۔ کنویں۔ تالاب وغیرہ۔ چنانچہ بعض فقہاء نے فی سبیل اللہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ افراد کے علاوہ اداروں پر بھی یہ رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔"[۱]

سوال :- کیا قربانی کی کھالوں کی رقم مسجد کی ضروریات پر خرچ ہو سکتی ہے؟

جواب :- بہتر ہے کہ قربانی کی کھالوں کی قیمت غرباء کو دی جائے یا جیسا کہ انتظام ہے مرکز میں بھجوا دی جائے۔ اپنے طور پر بلا اجازتِ مرکز مسجد کی ضروریات پر یہ رقم خرچ کرنا مناسب نہیں۔ اور یُوں بھی یہ وقارِ مسجد کے خلاف ہے کہ ایسے صدقات کا مال جس کے مستحق غرباء ہیں مسجد کی تعمیر میں خرچ کیا جائے۔

سوال :- کیا فاحشہ عورت کی کمائی سے بنائی ہُوئی مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب :- جو مسجد بن گئی ہے اور معاشرہ میں بطور مسجد اس کا مقام مان لیا گیا ہے اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ نماز پڑھنے والے کے لئے اس بات کی چھان بین کرنے کی ضرورت نہیں کہ یہ مسجد کس نے بنائی ہے۔ کیسے پیسوں سے بنی ہے۔ رہا اپنا خیال تو جس کا جی نہیں چاہتا وہ نہ پڑھے۔ شریعت تو صرف جواز سے بحث کرتی ہے۔

سوال :- جو درخت کسی قبرستان میں لگے ہُوئے ہیں ان کو فروخت کر کے کیا اس کی رقم کسی مسجد میں لگانا درست ہے؟

جواب :- عام قبرستان کی زمین اور اُس میں اُگے ہُوئے درخت وغیرہ وقف کے حکم میں ہیں اگر گاؤں والوں کی اکثریت اتفاق رائے سے ایسی آمدن کو مسجد کی اصلاح وغیرہ میں لگائے تو اس میں شرعاً کوئی امر مانع نہیں اور ایسا کرنا جائز ہے۔ گاؤں والوں کا اتفاق اس لئے ضروری ہے تاکہ فتنہ پیدا نہ ہو۔ جو شخص صاحب اختیار اور مختار کار ہے وہ ایسے درختوں کو بیچ کر اُسے مسجد کی مرمت وغیرہ میں صرف کر سکتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ہجرت کے بعد مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنی مسجد بنوائی اور اب جو مسجد نبوی کہلاتی ہے وہاں ایک قبیلہ کا پرانا قبرستان

[۱] :- رسالہ تشریح الزکوٰۃ صفحہ ۱۲۳

تھا۔ آپ نے وہ جگہ اُس کے مالکوں سے خرید کی اور اُس میں جو کھجوریں وغیرہ تھیں اُنہیں مسجد کی چھت وغیرہ میں استعمال فرمایا۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں :۔

عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُحِبُّ اَنْ یُّصَلِّیَ حَیْثُ اَدْرَکَہُ الصَّلٰوۃُ وَیُصَلِّیَ فِیْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ وَ اَنَّہٗ اَمَرَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فَاَرْسَلَ اِلٰی مَلَاءِ بَنِی النَّجَّارِ فَقَالَ یَا بَنِیْ النَّجَّارِ ثَامِنُوْنِیْ بِحَائِطِکُمْ ھٰذَا قَالُوْا لَا وَاللّٰہِ لَا نَطْلُبُ ثَمَنَہٗ اِلَّا اِلَی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ اَنَسٌ وَکَانَ فِیْہِ مَا اَقُوْلُ لَکُمْ قُبُوْرُ الْمُشْرِکِیْنَ...... [1]

اس روایت سے ظاہر ہے کہ قبرستان کے درختوں کو مسجد میں استعمال کرنا منع نہیں۔

مسجد کی زینت

دہلی کی جامع مسجد کو دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے فرمایا۔ کہ مسجدوں کی اصل زینت عمارتوں کے ساتھ نہیں ہے بلکہ ان نمازیوں کے ساتھ ہوتی ہے جو اخلاص کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ یہ سب مساجد ویران پڑی ہوئی ہیں۔ مسجد کی رونق نمازیوں کے ساتھ ہے۔ مسجدوں کے واسطے حکم ہے کہ تقویٰ کے واسطے بنائی جاویں [2]

سوال :۔ مسجد کے محراب پر نقش و نگار یا شعر وغیرہ لکھا جا سکتا ہے؟

جواب :۔ مساجد خصوصاً قبلہ والی دیوار اور محراب میں نقش و نگار، تحریر، اشعار و آیات وغیرہ کو پسند نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس طرح نمازی کی توجہ بٹتی ہے اور وہ یکسوئی سے نماز نہیں پڑھ سکتا۔

اس سلسلہ میں چند احادیث جن سے استدلال کیا گیا ہے درج ذیل ہیں :۔

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اُمِرْتُ بِتَشْیِیْدِ الْمَسَاجِدِ۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّھَا کَمَا زَخْرَفَتِ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی [3]

---

[1] :۔ بخاری کتاب الصلوٰۃ۔ باب ھل ینبش قبور مشرکی الجاھلیۃ الخ صـ۶۱ ؛ [2] :۔ فتاوی احمدیہ صـ۲۳

[3] :۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی بناء المسجد صـ۶۳ ؛

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے بلند اور عالیشان مساجد بنانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ حضرت ابن عباسؓ اس کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ کی طرح بلند و بالا عالیشان عبادتگاہیں بنانا اُن کی تزئین کرنا اور ان میں قسم قسم کے نقش و نگار بنانا اور سونے سے اُنہیں مطلیٰ کرنا بعثتِ رسُول کے مقاصد میں شامل نہیں۔ رسُول تو سادہ زندگی کی تلقین کے لئے آتے ہیں۔

(۲) عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یَتَبَاھَی النَّاسُ فِی الْمَسَاجِدِ[1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ لوگ عالی شان مساجد بنانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور اُنہیں باہمی تفاخر کا ذریعہ قرار دینے کی کوشش کریں گے۔

(۳) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ طَلْحَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعَاہُ بَعْدَ دُخُوْلِہِ الْکَعْبَۃَ فَقَالَ اِنِّیْ کُنْتُ رَاَیْتُ قَرْنَیِ الْکَبْشِ حِیْنَ دَخَلْتُ الْبَیْتَ فَنَسِیْتُ اَنْ اٰمُرَکَ اَنْ تُخَمِّرَھُمَا فَخَمِّرْھُمَا فَاِنَّہٗ لَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَّکُوْنَ فِیْ قِبْلَۃِ الْبَیْتِ شَیْءٌ یُلْھِی الْمُصَلِّیَ۔[2]

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبہ میں داخل ہُوئے تو کلید بردارِ کعبہ حضرت عثمان بن طلحہؓ کو بلایا اور فرمایا۔ جب مَیں خانہ کعبہ کے اندر آنے لگا تھا تو مَیں نے مینڈھے کے سینگ دیوارِ کعبہ پر نصب دیکھے تھے۔ تم انہیں ڈھانک دو۔ کیونکہ قبلہ کی جہت کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہیئے جو نمازی کی توجہ کو ہٹا دے۔

سوال :۔ مسجدوں کے اندر قرآنی آیات کے قطعات آویزاں کرنے میں کوئی حرج ہے؟

جواب :۔ اصل ہدایت یہ ہے کہ حتی الوسع نمازی کے سامنے دیوار یا کسی اور چیز پر ایسے نقش و نگار۔ قطعات و آیات وغیرہ نہیں ہونی چاہئیں جو اس کی توجہ کو ہٹا دیں اور اُس کی یکسوئی میں حارج ہُوں البتہ کچھ بلندی پر جو نظر کے سامنے کے خطِ مستقیم سے اُوپر ہو تبلیغی اغراض کے ماتحت آیات، احادیث یا اشعار لکھنے یا قطعات لٹکانے میں بظاہر کچھ ہرج نہیں۔

---

[1] :۔ ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب تشیید المساجد ص۵۴ و ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی بناء المساجد ص۶۵

[2] :۔ ابوداؤد کتاب المناسک باب الصلوٰۃ فی الکعبۃ ص۲۷۷، مسند احمد ص۶۸

سوال :۔ کیا مسجد کی دیوار پر اندر یا باہر ایسے لوگوں کے نام کندہ ہو سکتے ہیں جنہوں نے نمایاں چندہ دے کر تعمیر مسجد میں حصّہ لیا ہو اور ان سے چندہ لینے وقت نام لکھنے کا وعدہ بھی کیا گیا ہو؟

جواب :۔ اصُولاً مساجد کے اصلی حصّہ کو سادہ اور یادگاری کتبات وغیرہ سے پاک رکھنا چاہیئے تاہم اس میں ایسی سختی بھی نہیں۔ کیونکہ بعد کے خلفاء اور بزرگوں نے اس کی بعض صورتوں کو جائز رکھا ہے سب سے بہتر اور انسب صورت یہ ہے کہ ....!۔

(۱) مسجد میں اگر کسی خاص تاریخی اہمیت کا کتبہ لگانا ہو تو تفصیل لکھ کر خلیفۂ وقت یا ان کی طرف سے کسی مجاز ادارہ سے پہلے اجازت حاصل کی جائے۔

(۲) حتی الوسع کتبہ مسجد کے باہر کے حصّہ میں (جس میں مسجد کا برآمدہ اور صحن شامل نہیں) لگایا جائے۔ مثلاً مسجد میں داخلے والے بڑے دروازے کے پاس یا چار دیواری کے کسی مناسب حصّہ میں۔

یہ امر بہرحال پیش نظر رہنا چاہیئے کہ نمازیوں کے بالکل سامنے والی دیوار میں جس پر نماز پڑھتے ہوئے نظر پڑ سکتی ہے ایسے کتبات جو توجہ کو ہٹانے والے ہوں نہ لگائے جائیں۔

مسجد اور مدرسہ

سوال :۔ ہمارے یہاں مساجد میں پرائمری کلاسیں لگتی ہیں۔ مسجد میں میز کرسی لگا دی جاتی ہیں۔ لڑکے اور استاذ جوتا پہن کر مسجد میں آتے جاتے ہیں۔ نماز کے وقت صفیں اور دریاں بچھا دی جاتی ہیں۔

جواب :۔ مساجد میں تعلیم و تدریس جائز ہے لیکن بالکل مدرسہ کے طور پر اس کا استعمال درست نہیں کیونکہ مساجد کا ادب و احترام اس امر کا مقتضی ہے کہ انہیں صاف ستھرا رکھا جائے اور گندہ ہونے سے بچایا جائے۔ یا پھر ایسی جگہوں کا نام مسجد نہ رکھا جائے۔ جہاں نماز کے علاوہ اس رنگ میں تدریس و تنظیم کا کام بھی ہوتا ہو اور اس کے لئے میز کرسی یا ڈیسک استعمال کرنے پڑتے ہوں اور جوتیوں سمیت اندر باہر آنے جانے میں کوئی روک ٹوک نہ ہو۔ بہتر ہے کہ ایسی جگہوں کا نام مدرسہ رکھ دیا جائے اور عارضی طور پر اس سے نماز پڑھنے کا کام بھی لے لیا جائے۔ نماز کے وقت صفیں اور دریاں بچھا دی جائیں۔

بہرحال ایک جگہ کو مسجد قرار دینے اور اس کا نام مسجد رکھنے کے بعد آداب مسجد کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

مسجد اور اس میں ستانے کی اجازت

سوال :۔ گرمیوں میں ایک شخص مسجد میں ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے آتا ہے اور مسجد میں نماز عصر تک رہتا ہے۔ کیا اس عرصہ میں وہ مسجد میں سو سکتا ہے ؟

جواب :۔ مسجد کو خوابگاہ کے طور پر استعمال نہ کیا جائے۔ یہ ھدایت وارشاد اس مقصد کے لئے ہے کہ مسجد کو ناواجب باتوں اور غیر ضروری استعمال سے محفوظ رکھا جائے تاکہ عبادت اور ذکر الٰہی میں حرج نہ ہو۔ تاہم بوقت ضرورت مسجد میں انسان آرام کے لئے لیٹ سکتا ہے اور سو بھی سکتا ہے نہ بطور حق کے بلکہ صرف ضرورت اور مجبوری کے پیش نظر۔

سوال :۔ کیا گم شدہ اشیاء کا اعلان مسجد میں ہو سکتا ہے ؟

جواب :۔ مسجد کے اندر گمی ہوئی چیز کا اعلان باجازت امیر۔ پریذیڈنٹ یا امام مسجد کے اندر ہو سکتا ہے۔ جو چیز باہر گمی ہو یا لاپتہ ہوئی ہو اس کا اعلان مسجد سے باہر ہونا چاہیئے۔ اسی طرح ایسے امر کے متعلق جس کا تعلق جماعت کے انتظام سے ہو یا کسی شرعی مسئلہ سے، اس کا اعلان بھی مسجد میں کیا جا سکتا ہے[1]

سوال :۔ کیا نماز کی جگہ تھوکنا اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنا جائز ہے ؟

جواب :۔ جہاں نماز پڑھی جائے اس جگہ کو ہر قسم کے گند سے اور لغو امور سے پاک رکھنا چاہیئے۔ مسجد میں لغو باتیں کرنا اور شور مچانا بھی جائز نہیں۔

"ایک دفعہ صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے مسجد میں آ گئے اور اپنے ابا جان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس ہو بیٹھے۔ وہ اپنے لڑکپن کے باعث کسی بات کے یاد آجانے پر دبی آواز سے بار بار کھِل کھِلا کر ہنس پڑتے تھے۔ اس پر حضرت اقدس علیہ السّلام نے فرمایا۔ کہ مسجد میں ہنسنا نہیں چاہیئے۔" [2]

سوال :۔ گرمیوں کے موسم میں جب مسجد کا صحن سخت گرم ہو جاتا ہے تو صحن عبور کر کے آنے میں نمازیوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اگر صحن میں ٹاٹ بچھا دیا جائے تو کیا جوتے پہنے ہوئے مسجد میں داخل ہو سکتے ہیں؟

---

[1] :۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی کراھیۃ انشاد الضالۃ فی المسجد صہ٦٩، ابن ماجہ باب النھی عن انشاد الضوال فی المسجد صہ٥٦ ✣ [2] :۔ فتاویٰ احمدیہ صہ٢٣ ✣

جواب :- اگر جوتی صاف ہو اور اس کے تلوے پر گند لگا ہوا نہ ہو تو اسے پہنے ہوئے انسان مسجد میں جا سکتا ہے۔ ٹاٹ بچھا ہوا ہو تو یہ اور زیادہ بہتر صورت ہوگی۔ تاہم چونکہ یہاں یہ طریق معروف کے مطابق نہیں اور لوگ ایسا کرنے کو برا مناتے ہیں اس لئے فتنہ اور جھگڑے سے بچنے کے لئے اس سے اجتناب اولیٰ ہے تاکہ فتنہ پردازی اور الزام تراشی کا کسی کو کوئی موقع نہ مل سکے۔

سوال :- کیا جوتا پہن کر نماز پڑھی جا سکتی ہے؟

جواب :- صاف جوتے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ثابت ہے تاہم فتنہ اور فساد سے بچنے کے لئے ایسا کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ جہاں تک جواز کا تعلق ہے اس کے لئے بعض حوالہ جات درج ذیل ہیں :-

(۱) عَنْ سَعِیْدِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ اَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِیْ نَعْلَیْہِ قَالَ نَعَمْ۔ [۱]

اس حدیث پر محاکمہ کرتے ہوئے حضرت امام ترمذیؒ لکھتے ہیں :-

حَدِیْثُ اَنَسٍ حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَالْعَمَلُ علی ھذا عند اھل العلم۔ [۲]

(۲) عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَالِفُوْا الْیَھُوْدَ فَاِنَّھُمْ لَا یُصَلُّوْنَ فِیْ نِعَالِھِمْ وَلَا خِفَافِھِمْ۔ [۳]

(۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ لَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِی النَّعْلَیْنِ۔

(۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ حَافِیًا وَمُنْتَعِلًا۔ [۴]

(۵) عن عبد اللّٰہ قال لقد رایا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یُصَلّی فی النعلین والخفین۔ [۵]

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں ذکر ہوا کہ امیر کابل اجمیر کی خانقاہ میں

---

[۱] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب جواز الصلوٰۃ فی النعلین ص۲۰۸، بخاری باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی النعال ص۵۶ :: [۲] ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی النعال ص۵۳ :: [۳] ابوداؤد باب الصلوٰۃ فی النعل ص۹۵ :: [۴] [۵] :- ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی النعال ص۷۶ ::

بوٹ پہنے چلا گیا اور ہر جگہ بوٹ پہنے ہوئے نماز پڑھی۔ اور اس بات کو خانقاہ کے مجاوروں نے بُرا منایا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اس معاملہ میں امیر حق پر تھا۔ جوتے پہنے ہوئے نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے۔ [1]

سوال:۔ لجنہ کی میٹنگ مسجد میں ہوتی ہے۔ کیا حائضہ عورت مسجد کے اندر منعقد ہونے والی میٹنگ میں شامل ہو سکتی ہیں؟

جواب:۔ اگر مجبوری کی حالت ہو مثلاً اجلاس کے لئے کوئی اور موزوں جگہ ہی نہ ہو تو پھر حائضہ عورت کا مسجد میں جانا جائز ہے کیونکہ ممانعت کی اصل وجہ خالص تعبّدی یعنی محض عبادت کے لئے نہیں بلکہ تلویث مساجد یعنی خون کے گرنے کے امکان کی وجہ سے مساجد کے گندہ ہو جانے کا خدشہ ہے۔ لیکن موجودہ زمانہ میں عورتیں جس قدر اس بارہ میں احتیاط کرتی ہیں اس کے پیش نظر ایسے خدشات کا کوئی موقع نہیں ہے اس لئے بحالتِ ضرورت و مجبوری اس کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ اس لچک کا استدلال مندرجہ ذیل روایت سے کیا جا سکتا ہے:۔

إِنَّ مَيْمُونَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ رَأْسَهُ فِي حِجْرِ إِحْدَانَا فَيَتْلُو الْقُرْآنَ وَهِيَ حَائِضٌ وَتَقُومُ إِحْدَانَا بِخُمْرَتِهِ إِلَى الْمَسْجِدِ فَتَبْسُطُهَا وَهِيَ حَائِضٌ۔ [2]

سوال:۔ حائضہ کے مسجد میں داخل ہونے کے بارہ میں حنفیہ کے علاوہ دوسرے مذاہب کا کیا مسلک ہے؟

جواب:۔ حائضہ عورت ضرورت کے وقت مسجد میں داخل ہو سکتی ہے یا نہیں اس بارہ میں حنفیوں کا مسلک یہ ہے کہ وہ مسجد میں نہیں جا سکتی۔ ان کے مسلک کی تائید میں صرف یہ حدیث ہے جو "افلت" نامی ایک راوی سے ابوداؤد نے روایت کی ہے:۔

"جَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوُجُوهُ بُيُوتِ أَصْحَابِهِ شَارِعَةٌ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ وَجِّهُوا هٰذِهِ الْبُيُوتَ عَنِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَصْنَعِ الْقَوْمُ شَيْئًا رَجَاءَ أَنْ تَنْزِلَ فِيهِمْ رُخْصَةٌ فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ بَعْدُ فَقَالَ وَجِّهُوا هٰذِهِ الْبُيُوتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَإِنِّي لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ

---

[1]: بدر ۱۱ اپریل ۱۹۰۸ء ۔ [2]: ۔ نسائی کتاب المساجد ص۴۲

لِحَائِضٍ وَلَاجُنُبٍ"۔ [1]

(۱) اس حدیث کی صحت کے متعلق علامہ ابن رشد اپنی مشہور کتاب بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں :۔

مارُوِیَ عَنْہُ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَنَّہٗ قَالَ لَا اُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِجُنُبٍ وَلَا حَائِضٍ وَھُوَحَدِیْثٌ غَیْرُثَابِتٍ عِنْدَ اَھْلِ الْحَدِیْثِ"۔ [2]

(۲) علامہ ابن حزم اس مسئلہ اور اس حدیث کے بارہ میں لکھتے ہیں :۔

"لَمْ یَثْبُتْ فِیْ ھٰذَا الْبَابِ شَیْءٌ وَحَدِیْثُ اَفْلَتَ بَاطِلٌ"۔ [3]

(۳) صحابہ میں سے حضرت زید بن ثابت اور بعد کے علماء میں سے امام ابوداؤد ظاہری اور ان کے متبعین اس بات کے قائل ہیں کہ حائضہ عورت بوقت ضرورت مسجد میں جا سکتی ہے اور جس حدیث میں ممانعت آئی ہے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ مسجد تلویث اور گندہ ہونے سے محفوظ رہے ۔ اگر اس قسم کا کوئی اندیشہ نہ ہو تو پھر حائضہ عورت کا مسجد میں جانا منع نہیں۔ [4]

ابن منذر کی روایت ہے کہ :۔

"کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْشُوْنَ فِی الْمَسْجِدِ وَھُمْ جُنُبٌ ۔ [5]

سوال :۔ قبر کے بالمقابل نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ مزار یعنی قبر کو جانتے ہوئے اس کے بالمقابل نماز نہیں پڑھنی چاہیئے ۔ خواہ اس کے خیال میں اس مزار اور قبر کی تعظیم نہ بھی ہو۔ [6]

مسجد اور تنازعہ

سوال :۔ لوگ مل کر ایک مسجد بناتے ہیں پھر ان میں سے کچھ لوگ احمدی ہو جاتے ہیں جنہیں غیر احمدی وہاں نماز پڑھنے سے روکتے ہیں ۔ کیا احمدی وہاں نماز پڑھنے سے رُک جائیں ؟

---

[1] :۔ ابوداؤد کتاب الطہارت ص ۳۰ ج ۱ ؛ [2] :۔ بدایۃ المجتہد ص ۴۲ ج ۱ ؛

[3] :۔ بذل المجہود شرح ابوداؤد ص ۱۴۲ ج ۱ ؛ [4] :۔ نیل الاوطار باب الرخصۃ فی اجتیاز الجنب فی المسجد ومنعہ من اللبث فیہ الا ان یتوضأ ص ۲۳۸ ج ۱ ؛ [5] :۔ نیل الاوطار باب ایضاً ص ۲۳۸ ج ۱ ؛ [6] :۔ الفضل ۵ اگست ۱۹۱۵ء) ؛

جواب :۔ ”یہ تو سوال ہی غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ایسے معاملات میں حالات پر غور کر لینا چاہیئے۔ اگر وہ احمدی سمجھتے ہیں کہ بغیر فساد کے وہ اپنا حق لے سکتے ہیں تو انہیں اپنا حق لے لینا چاہیئے۔ اور اگر وہ سمجھتے ہیں کہ اس جھگڑے میں لمبا وقت صرف ہوگا تو مؤمن کا کام یہ ہے کہ جتنا وقت اس کا مقدمہ پر خرچ ہو سکتا ہے اتنا وقت تبلیغ پر خرچ کرے اور مقدمہ بازی نہ کرے۔“ [1]

تعظیم قبلہ

سوال :۔ قبلہ شریف کی طرف پاؤں کر کے سونا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ یہ ناجائز ہے۔ کیونکہ تعظیم کے برخلاف ہے۔

سوال :۔ احادیث میں اس کی ممانعت نہیں آئی؟

فرمایا ”یہ کوئی دلیل نہیں ہے اگر کوئی شخص اس بناء پر کہ حدیث میں ذکر نہیں ہے اور اس لئے قرآن شریف پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہوا کرے تو کیا یہ جائز ہو جاوے گا۔ ہرگز نہیں۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ [2]“ [3]

سوال :۔ کیا قبلہ کی طرف مجبوری سے بھی پاؤں کرنا منع ہے؟

جواب :۔ قبلہ کی طرف پاؤں کرنا کفر تو نہیں البتہ ادب کے خلاف ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب وغیرہ کے متعلق فرمایا ہے اگر آگے دیوار نہ ہو تو ادھر مُنہ کر کے پیشاب نہیں کرنا چاہیئے مگر دوسری جگہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ کو ایسا کرتے دیکھا گیا۔ اس کی یہی تشریح کی گئی ہے کہ سامنے دیوار تھی۔ قبلہ کی طرف پاؤں نہ کرنا ادب کا طریق ہے لیکن اگر کوئی کریگا تو بدتہذیب ہے۔“ [4]

سوال :۔ کعبہ کی طرف پاؤں کر کے نہ سونے کی شرعی حجت کیا ہے؟

جواب :۔ کعبہ کی طرف پاؤں کر کے سونے کو بزرگوں نے خلاف ادب سمجھا ہے اس لئے اس سے بچنا چاہیئے۔ سوائے اس کے کہ کوئی خاص عذر ہو۔ مثلاً بیمار کے لئے اداۓ نماز کی یہ صورت علماء نے لکھی ہے کہ اگر انسان بوجہ بیماری لیٹ کر نماز پڑھنے پر مجبور ہو تو چت لیٹ کر نماز پڑھے۔ پاؤں کعبہ کی طرف ہوں اور سر مقابل کی سمت میں۔“ [5]

---

[1] :۔ الفضل، مئی ۱۹۶۰ء ؛ [2] :۔ سورۃ الحج : ۳۳ ؛ [3] :۔ بدر ۲۴ رجولائی ۱۹۰۴ء صفحہ ۶، الحکم ۱۰ راگست ۱۹۰۴ء صفحہ ۲ فتاویٰ مسیح موعودؑ صفحہ ۲۶ ؛ [4] :۔ الفضل ۲۹ رجون ۱۹۴۶ء ؛ [5] :۔ کشف الغمہ باب صلوٰۃ المعذور صفحہ ۲۴۳ ؛

اسی طرح حدیث میں اس بات کی تصریح آئی ہے کہ کعبہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرکے پیشاب یا پاخانہ کے لئے نہیں بیٹھنا چاہیئے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الْغَائِطَ فَلَا یَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ وَلَا یُوَلِّیْھَا ظَھْرَہٗ شَرِّقُوْا اَوْ غَرِّبُوْا۔ [1]

---

[1]: ۔ بخاری کتاب الصلوٰۃ باب لاتستقبل القبلۃ بغائط او بول الا عند البناء جدار او نحوہ ص ۲۶ ۱

نمازِ جنازہ

جب بتقاضائے قدرت کسی کی وفات کا وقت قریب آجائے تو اس کے پاس سورہ یٰسٓ پڑھی جائے[1] دھیمے دھیمے اور بلند آواز سے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت بھی پڑھنا چاہیئے۔ وفات واقع ہوجانے پر اور ایسی خبر ملنے پر موجود لوگ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھیں۔ مرنے والے کی آنکھوں کو ہاتھ سے بند کردیں۔ سر کو باندھ دیں تاکہ مُنہ کھلا نہ رہ جائے۔ جزع و فزع کی بجائے صبر اور حوصلہ کے ساتھ متعلقین تجہیز و تکفین کا اہتمام کریں۔

میّت کو غسل دیں اس کا طریق یہ ہے کہ تین بار بدن پر تازہ یا نیم گرم پانی ڈالیں اگر ہو سکے تو پانی میں بیری کے پتے ملانا مسنون ہے۔ پہلے وہ اعضاء دھوئے جائیں جو وضوء میں دھوئے جاتے ہیں۔ کلی کرانے اور ناک میں پانی ڈالنے یا پاؤں دھونے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد بدن کے دائیں اور بائیں حصّہ پر پانی ڈال کر دھوئیں۔ نہلاتے وقت بدن کے واجب الستر حصّہ پر کپڑا پڑا رہنا چاہیئے۔ مرد میّت کو مرد اور عورت میّت کو عورت نہلائے۔ بشرط ضرورت بیوی اپنے متوفی میاں کو نہلا سکتی ہے۔ اسی طرح مرد اپنی بیوی کو نہلا سکتا ہے[2]

نہلانے کے بعد کفن پہنایا جائے جس میں کم قیمت اور سادہ سفید کپڑا استعمال کیا جائے۔ مرد کے تین کپڑے۔ کُرتہ، تہہ بند اور بڑی چادر جسے لفافہ بھی کہتے ہیں اور عورت کے لئے ان تین کپڑوں کے علاوہ سینہ بند اور سربند بھی ہونے چاہئیں۔ تجہیز و تکفین میں سادگی اختیار کرنا موجب برکت و ثواب ہے۔ شہید کو نہلانے اور کفن پہنانے کی ضرورت نہیں۔ اُسے اپنے پہنے ہُوئے کپڑوں میں ہی دفنایا جائے۔ غسل اور تکفین کے بعد میّت کا مُنہ دیکھنے کی اجازت ہے۔[3]

---

[1] :۔ (الف) ابن ماجہ ابواب الجنائز باب مایقال عند المریض اذا حضر صـ۱۰۴ ؛
(ب) ابوداؤد کتاب الجنائز باب القرأۃ عند المیت صـ۸۹ ؛

[2] :۔ (الف) ابن ماجہ ابواب الجنائز باب فی غسل الرجل امراتہ وغسل المراۃ زوجہا صـ۱۰۵ ؛
(ب) دارقطنی صـ۱۹۴ ، بیہقی صـ۳۹۶ جلد۳۔ کتاب الحلیۃ ابونعیم فی ترجمۃ فاطمۃ رضؓ ؛

[3] :۔ ابن ماجہ ابواب الجنائز باب ماجاء فی النظر الی المیت اذا ادرج فی اکفانہ صـ۱۰۶ ؛

تکفین کے بعد جنازہ کو کندھوں پر اُٹھا کر جنازہ گاہ لے جایا جائے۔ وہاں نماز جنازہ کے لئے حاضر لوگ امام کے پیچھے صف باندھیں۔ زیادہ لوگ ہوں تو صفیں طاق بنائی جائیں[۱]۔ امام صفوں کے آگے درمیان میں کھڑا ہو۔ میّت اس کے سامنے ہو۔ امام بلند آواز سے تکبیر تحریمہ کہے۔ مقتدی بھی آہستہ آہستہ آواز میں تکبیر کہیں۔ اس کے بعد ثناء اور سورہ فاتحہ آہستہ آواز سے پڑھی جائے[۲]۔ پھر امام بغیر ہاتھ اُٹھائے بلند آواز سے دوسری تکبیر کہے اور مقتدی بھی آہستہ آواز سے کہیں۔ پھر درود شریف جو نماز میں پڑھتے ہیں پڑھا جائے۔ پھر تیسری تکبیر کہی جائے اور میّت کیلئے مسنون دُعا کی جائے۔ اس کے بعد چوتھی تکبیر کہہ کر امام دائیں بائیں بلند آواز سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے اور مقتدی آہستہ آواز سے یہ سلام کہیں[۳]۔

بوقت ضرورت کسی غیر معمولی شخصیت کی نماز جنازہ غائب بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ اسی طرح جس کا جنازہ کسی نے نہ پڑھا ہو یا بہت تھوڑے سے آدمی جنازہ میں شریک ہو سکے ہوں تو اس کی نماز جنازہ غائب پڑھنا بھی جائز ہے بشرطیکہ مقامی جماعت جنازہ غائب پڑھنے کا فیصلہ دے یا مرکز سے اس کی اجازت حاصل کر لی جائے[۴]۔

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ یعنی سب مسلمانوں پر بحیثیت مجموعی فرض ہے۔ اگر کچھ لوگ نماز پڑھ لیں تو باقی سبکدوش ہو جائیں گے لیکن باوجود علم ہو جانے کے اگر کوئی نہ پڑھے تو سب گنہگار ہوں گے۔

نماز جنازہ کی مسنون دعائیں

بالغ مرد اور بالغ عورت کے لئے دُعا:۔

(۱) اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَ مَيِّتِنَا وَ شَاهِدِنَا وَ غَائِبِنَا وَ صَغِيْرِنَا وَ كَبِيْرِنَا وَ ذَكَرِنَا وَ اُنْثَانَا ؕ اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَ مَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ۔[۵]

---

[۱]:۔ ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی من صلی علیہ جماعۃ من المسلمین صفحہ ۱۰۸ ؛ [۲]:۔ عن ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب بخاری مرفوعاً صفحہ ۱۷۸، ترمذی صفحہ ۱۲۲، ابن ماجہ صفحہ ۱۰۷، ابوداؤد صفحہ ۱۰۰ ؛

[۳]:۔ تحفۃ الفقہاء صفحہ ۵۰۱ ؛ [۴]: د۔ بخاری باب الصلوٰۃ علی القبر صفحہ ۱۷۸۔ ب۔ نصب الرایہ احادیث الصلوٰۃ علی الغائب صفحہ ۲۸۳/۲ ؛

[۵]:۔ ابن ماجہ کتاب الجنائز باب فی الدعاء فی صلوٰۃ الجنازۃ صفحہ ۱۰۷ ؛

یعنی اے اللہ بخش دے ہمارے زندوں کو اور جو مر چکے ہیں اور جو حاضر ہیں اور جو موجود نہیں۔ اور ہمارے چھوٹے بچوں کو اور ہمارے بڑوں کو اور ہمارے مردوں کو اور ہماری عورتوں کو۔ اے اللہ جس کو تو ہم میں سے زندہ رکھے اُسے اسلام پر قائم رکھ اور جس کو تو وفات دے اس کو ایمان کے ساتھ وفات دے۔ اے اللہ اس کے اجر و ثواب سے ہم کو محروم نہ رکھ اور اس کے بعد ہمیں کسی فتنہ میں نہ ڈال۔

۲۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ[1] وَارْحَمْہُ وَعَافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ وَاَکْرِمْ نُزُلَہٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَہٗ وَاغْسِلْہُ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّہٖ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْہُ دَارًا خَیْرًا مِّنْ دَارِہٖ وَاَھْلًا خَیْرًا مِّنْ اَھْلِہٖ وَزَوْجًا خَیْرًا مِّنْ زَوْجِہٖ وَاَدْخِلْہُ الْجَنَّۃَ وَاَعِذْہُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ۔[2]

یعنی اے اللہ اس کو بخش دے اور اس پر رحم فرما اور اس کو معاف کر دے اور اس سے درگذر فرما اور اس کو عزت کی جگہ دے اور اس کے داخل ہونے کی جگہ کو کشادہ فرما۔ اور غسل دے اس کو پانی اور برف سے اور اولوں سے یعنی تپش گناہ آبِ رحمت کے ذریعہ اس سے دُور کر دے۔ اور پاک وصاف کر اس کو خطاؤں سے جیسا کہ سفید کپڑا میل کچیل سے دُھل کر صاف ہوتا ہے اور اس کو اس کے گھر کے بدلہ میں اچھا گھر عطاء فرما اور اچھے اہل دے اس کے اہل سے اور اچھے ساتھی اس کے ساتھی سے۔ اور اس کو بہشت میں داخل فرما اور اس کو قبر کے عذاب اور آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

۳۔ نابالغ لڑکے کے جنازہ کی دُعا:۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا سَلَفًا وَّفَرَطًا وَّذُخْرًا وَّاَجْرًا وَّشَافِعًا وَّمُشَفَّعًا۔[3]

یعنی۔ اے اللہ اس کو ہمارے فائدہ کے لئے پہلے جانے والا اور ہمارے آرام کا ذریعہ بنا اور سامانِ خیر بنا اور موجب ثواب یہ ہمارا سفارشی بنے اور اس کی سفارش قبول فرما۔

---

[1]۔ اگر عورت کی میت ہو تو مذکر کی ضمیر کی بجائے مؤنث کی ضمیر استعمال کی جائے مثلاً اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ کی جگہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھَا وَارْحَمْھَا الخ۔ [2]: نسائی کتاب الجنائز باب الدعا صفحہ ۲۲۷/۱، ابن ماجہ کتاب الجنائز باب الدعا فی الصلوٰۃ علی الجنازہ صفحہ ۱۰۸؛

[3]:۔ بخاری کتاب الجنائز صفحہ ۱۷۸/۱، شرح السنہ صفحہ ۳۵۷/۵؛

۴۔ نابالغہ لڑکی کے جنازہ کی دُعاء :۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا لَنَا سَلَفًا وَّ فَرَطًا وَّ ذُخْرًا وَّ اَجْرًا وَّ شَافِعَۃً وَّ مُشَفَّعَۃً ۔

یعنی۔ اے اللہ اس بچی کو ہمارے فائدہ کے لئے پہلے جانے والی اور ہمارے آرام کا ذریعہ بنا اور سامان خیر بنا اور موجب ثواب یہ ہماری سفارشی بنے اور اس کی سفارش قبول فرما۔

نماز جنازہ کے بعد جتنی جلدی ہو سکے میّت کو دفنانے کے لئے قبرستان لے جایا جائے۔ سب ساتھ جانے والوں کو باری باری کندھا دینے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر میّت بھاری ہو یا اُسے دُور لے جانا ہو تو گاڑی یا ٹرک وغیرہ پر رکھ کر لے جایا جا سکتا ہے۔ جنازہ لے جاتے وقت ساتھ ساتھ زیرلب ذکر الٰہی اور دُعائے مغفرت بھی کرتے جانا چاہیئے۔

قبر لحد والا یا شق دار دونوں طرح جائز ہے۔ البتہ میّت کی حفاظت کے پیش نظر کشادہ اور گہری ہونی چاہیئے۔ بصورت مجبوری ایک قبر میں کئی میتیں بھی دفن کی جا سکتی ہیں۔ اگر میّت کو امانتاً دفن کرنا ہو یا زمین سخت سیلابہ ہو تو میّت کی حفاظت کے مدّنظر لکڑی یا لوہے کے صندوق میں دفن کر سکتے ہیں[۱] چنانچہ صاحب ردّالمحتار لکھتے ہیں :۔

(ولا بأس باتخاذ تابوت) ولو بحجر او حديد (له عند الحاجة) كرخاوة الارض۔

میّت کو احتیاط کے ساتھ قبر میں اتارتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[۲] کے الفاظ کہے جائیں۔ اور لپٹی ہوئی چادر کا بند کھول کر میّت کا مُنہ ذرا قبلہ کی طرف جھکا دیا جائے۔ کچھ اینٹیں یا چوڑے پتھر رکھ کر لحد بند کر دی جائے اور اُوپر مٹی ڈال دی جائے۔ ہر حاضر کو مٹی ڈالنے میں کچھ نہ کچھ حصّہ لینا چاہیئے اور نہیں تو دونوں ہاتھوں سے تین مٹھی مٹی ڈالے اور ساتھ یہ آیۂ کریمہ پڑھے :۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۔[۳]

قبر کو مُسطح اور تھوڑی سی کوہان دار بنانا مسنون ہے۔ قبر تیار ہونے پر مختصر سی دُعائے مغفرت کی جائے

---

۱ :۔ ردّ المختار ص۸۳۶ جلد اوّل حاشیہ ؛ ۲ :۔ ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی ادخال المیّت القبر ص۱۱۱ ؛ ۳ :۔ سورہ طٰہٰ : ۵۶ ، بیہقی بحوالہ نیل الاوطار باب من این یدخل المیّت قبرہ ..... الخ ص۶۴ ؛

اس کے بعد اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ نَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ - کہتے ہوئے بادلِ حزین وصبر و حوصلہ واپس آئیں۔[1]

میت کے عزیزوں کے ساتھ تعزیت کی جائے اور صبر و حوصلہ کی تلقین کی جائے۔ قریبی یا پڑوسی پسماندگان کے گھر ایک وقت کا کھانا بھی بھجوائیں۔ رسوم پرستی اور توہمات سے اجتناب کیا جائے۔ افسوس اور تعزیت کی حالت تین دن تک قائم رکھی جائے۔ اس کے بعد زندگی معمول پر آجانی چاہیئے۔ البتہ جس عورت کا خاوند مر جائے وہ چار ماہ دس دن تک سوگ منائے۔ یعنی بلا اشد ضرورت گھر سے باہر نہ نکلے۔ بناؤ سنگار نہ کرے۔ بھڑکیلے کپڑے نہ پہنے۔ خوشبو کا استعمال نہ کرے۔ خوشی کی تقریبات میں شامل نہ ہو اور صبر و شکر کے ساتھ ذکرِ الٰہی میں یہ دن گذارے۔

---

[1]:- ابن ماجہ کتاب الجنائز باب فیما یقال اذا دخل المقابر ص۱۱۱

متفرقات

مرض کی صورت میں صحیح علاج کی طرف زیادہ توجہ دی جائے۔ نیز شافیٔ مطلق کے حضور صحت کے لئے درد و الحاح کے ساتھ دُعا کی جائے۔ صدقہ دیا جائے۔

دُعا کی ایک صورت دَم بھی ہے اور اس رنگ میں کسی بزرگ سے بطور تبرک دم کرانا جائز ہے لیکن نہ تو اس طریق کو عام کیا جائے اور نہ ہی اسے بطور پیشہ اختیار کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عموماً یہی طریق تھا اور آپ کے صحابہؓ کا بھی یہی عمل رہا کہ دُعا کے اس طریق کو بہت کم اختیار کیا گیا۔ کیونکہ اس میں بدعت کے راہ پانے اور رسم چل پڑنے کا بھی ڈر ہے۔

عام طور پر سورۂ فاتحہ اور معوذتین پڑھ کر دَم کرنے کے بارہ میں روایات[1] آئی ہیں۔

سوال:۔ مریض کو قرآن مجید کی کونسی آیات پڑھ کر دَم کیا جائے؟

جواب:۔ بخاری کی یہ روایت اس بارہ میں ہماری راہنمائی کرتی ہے:۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا آوٰى إِلٰى فِرَاشِهٖ نَفَثَ فِيْ كَفَّيْهِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَ بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ جَمِيْعًا ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهٗ وَمَا بَلَغَتْ يَدَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ قَالَتْ عَائِشَةُ فَلَمَّا اشْتَكٰى كَانَ يَأْمُرُنِيْ اَنْ اَفْعَلَ ذٰلِكَ بِهٖ[2]

یعنی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام جب سونے کے لئے بستر پہ لیٹتے تو اپنے دستِ مبارک پر سورۂ اخلاص۔ سورۂ فلق اور سورۃ الناس پڑھ کر پھونک مارتے اور پھر ہاتھوں کو چہرہ اور تمام جسم پر جہاں تک ہاتھ پہنچتا پھیرتے اور جب آپ بیمار ہوتے تو مجھے ایسا کرنے کے لئے فرماتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس قسم کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:۔

”دم مریض پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور مَیں سمجھتا ہُوں کہ عقلاً اس کا فائدہ اور اس کی حکمت معلوم ہوتی ہے۔ باقی چیزوں پر دم ...... رسُول اللہ

---

[1] :۔ بخاری کتاب الطب باب النفث فی الرقیۃ صفحہ ۸۵۵ج۲؛ [2] :۔ بخاری کتاب الطب باب النفث فی الرقیۃ صفحہ ۸۵۵ج۲

صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں...... گو اس میں بھی بعض حالات میں فائدہ ہو سکتا ہے مگر اس سے بعض نتائج پیدا ہو سکتے ہیں جو خطرناک ہیں۔ ان کا فائدہ کم ہے اور نقصان زیادہ ہے۔ یہ روحانیت پر ایسا اثر ڈال دیتی ہے کہ خدا تعالیٰ سے دُور کر دیتی ہے یہ چیزیں انسان کو دُعا سے غافل کر دینے والی ہیں اور خدا کی طرف بار بار رجوع کرنا جو ایمان کی جزو ہے اس سے انسان کو دُور کر دیتی ہے۔" [1]

سوال:۔ وفات کے وقت مسلمان کے لئے کونسی دُعا پڑھی جاتی ہے؟

جواب:۔ جب ایک مسلمان پر حالت نزع طاری ہو تو پاس والے کلمات خیر کہیں۔ مثلاً

(الف) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھیں۔ [2]

(ب) خوش الحانی سے حاضرین میں سے کوئی سورۂ یاسین کی تلاوت کرے۔ [3]

(ج) نیز یہ ذکر کرنے کا بھی حکم ہے:۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِيْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَيْرًا مِّنْهَا۔ [4]

سوال:۔ اگر کوئی عورت ایسی حالت میں مَر جائے کہ وہاں کوئی دوسری عورت نہیں یا مرد مَر جائے جبکہ کوئی دوسرا مرد وہاں نہیں تو پھر غسل اور نماز جنازہ وغیرہ کس طرح ہوگا۔

جواب:۔ میدان جنگ میں اگر کوئی عورت ماری جائے تو بلا غسل اس کی تجہیز و تکفین کی جائے۔ ہاں نماز جنازہ میں اگر کوئی روک نہ ہو تو پڑھی جائے۔ بحالت ضرورت غیر محرم مرد عورت کا جنازہ اُٹھا سکتے ہیں۔ اور اس کی تدفین بھی کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی عورت میدانِ جنگ میں قتل نہ ہو بلکہ کسی مرض سے وفات ہو تو غسل کے لئے کپڑوں سمیت اُوپر پانی ڈالا جائے اور پھر کفن میں لپیٹ کر تدفین کی جائے۔

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ اس صورت میں بلا غسل تدفین ہو یا میّت کو تیمم کرا دیا جائے۔ یعنی اس کی باہوں اور مُنہ پر ہاتھ پھیرا جائے اور اس وقت تیمم کرانے والا اپنے ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ لے۔ [5]

---

[1] : الفضل ۲۶ فروری ۱۹۲۲ء ؛ [2] : ترمذی ص۱۱۷ ، ابوداؤد باب فی التلقین ص۸۸ ؛ [3] : ابوداؤد کتاب الجنائز باب القراءة عند المیّت ص۸۹ ؛ [4] : مسلم باب مایقال عند المصیبة ص۳۶۰ مصری ؛ [5] :۔ مراسیل ابوداؤد باب غسل المیّت ص۱۷ ؛

ہمارے نزدیک میت کے رشتہ دار یا جماعت کے ذمہ دار عہدہ دار حسبِ صوابدید وموقع مناسب فیصلہ کر سکتے ہیں۔ جس طرح بیماری کی صورت میں اگر لیڈی ڈاکٹر نہ ملے تو عورت مرد ڈاکٹر سے بھی علاج اور قابلِ ستر حصّہ میں بیماری کی تشخیص کرا سکتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی یہ طرزِ عمل اختیار کیا جا سکتا ہے۔

بہرحال یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور پردہ اور غیر محرم کو چھونے کی ممانعت سے متعلق عام ہدایات پر اس اجتہاد کی بنیاد ہے۔ فقہاء نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

اِتَّفَقُوْا عَلٰی اَنَّ الرِّجَالَ یَغْسِلُوْنَ الرِّجَالَ - وَالنِّسَآءَ یَغْسِلْنَ النِّسَآءَ وَاخْتَلَفُوْا فِی الْمَرْأَةِ تَمُوْتُ مَعَ الرِّجَالِ اَوِ الرَّجُلُ یَمُوْتُ مَعَ النِّسَآءِ مَا لَمْ یَکُوْنَا زَوْجَیْنِ عَلٰی ثَلَاثَةِ اَقْوَالٍ فَقَالَ قَوْمٌ یَغْسِلُ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهٗ مِنْ فَوْقِ الثِّیَابِ وَقَالَ قَوْمٌ یَتَیَمَّمُ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهٗ وَبِهٖ قَالَ الشَّافِعِیُّ وَاَبُوْ حَنِیْفَةَ وَجُمْهُوْرُ الْعُلَمَاءِ وَقَالَ قَوْمٌ لَا یَغْسِلُ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهٗ وَلَا یَتَیَمَّمُهٗ وَقَالَ لَیْثُ بْنُ سَعْدٍ بَلْ یُدْفَنُ مِنْ غَیْرِ غُسْلٍ [1]

غسل میّت طاعون زدہ

سوال:۔ طاعون زدہ کے غسل کے واسطے کیا حکم ہے؟

جواب:۔ فرمایا "مؤمن طاعون سے مرتا ہے تو وہ شہید ہے۔ شہید کے واسطے غسل کی ضرورت نہیں"۔ [2]

طاعون زدہ کو کفن

سوال:۔ طاعون زدہ کو کفن پہنایا جاوے یا نہیں؟

جواب:۔ فرمایا "شہید کے واسطے کفن کی ضرورت نہیں۔ وہ انہیں کپڑوں میں دفن کیا جائے۔ ہاں اس پر ایک چادر ڈال دی جائے تو ہرج نہیں ہے"۔ [3]

سوال:۔ خواتین کے کفن میں کتنے کپڑے ہوتے ہیں۔ سُنا ہے آجکل ایک پاجامہ کا اضافہ ہوا ہے؟

---

[1] بدایۃ المجتہد الباب الثانی فی غسل المیّت الفصل الثالث ص ۱۷۹؛ [2][3] بدر ۲ اپریل ۱۹۰۷ء؛

جواب :۔ کفن کے طور پر عورت کے لئے ضرورت کے لحاظ سے پانچ کپڑے بتفصیل ذیل ہونے چاہئیں تہہ بند، کُرتا، لفافہ، سینہ بند، صافی جس سے سر کے بال باندھے جائیں۔ یہ مسنون تعداد ہے۔ اس سے زیادہ کپڑے کفن میں استعمال کرنا بدعت کا رنگ اختیار کر سکتا ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے۔

کفن سفید معمولی قیمت کے لٹھے یا کھدر کا ہونا چاہیئے۔

سوال :۔ جنازہ اٹھاتے وقت میّت کا سَر کس طرف ہونا چاہیئے؟

جواب :۔ جنازہ کو قبرستان لے جانا اور اس کی تدفین میں حصّہ لینا ایک شرعی ہدایت ہے اور شرعی ہدایت کی بنیاد قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر ہے۔ ہم اپنے قیاس یا خود ساختہ حکمت سے کسی امر یا طریق کار کو شرعی قرار نہیں دے سکتے۔ اس اصول کو مدنظر رکھتے ہُوئے جنازہ کو اٹھانے کے بارہ میں جو ہدایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ملتی ہے وہ یہ ہے کہ میّت کو چارپائی یا اسی شکل کی کسی اور چیز مثلاً سٹریچر وغیرہ پر لٹانا چاہیئے۔ حدیث میں اس کے لئے سریر کا لفظ آیا ہے پھر اس جنازہ کو چار آدمی اٹھائیں البتہ اگر مشکل ہو یا عذر ہو تو دو آدمی بھی اُٹھا سکتے ہیں۔ اسی طرح بوقت ضرورت سواری کے کسی جانور۔ گاڑی۔ چھکڑے۔ ایمبولینس کار وغیرہ پر بھی جنازہ کو قبرستان کی طرف لے جا سکتے ہیں۔

احادیث میں ایسی کوئی تشریح نہیں ملتی جس سے بالوضاحت یہ پتہ چل سکے کہ جنازہ لے جاتے وقت میّت کا سَر کس طرف اور پاؤں کس طرف ہونے چاہئیں۔ تاہم طبعی طریق جسے سنّت، عمل اور اُمّت کے تعامل نے واضح کیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء نے عملاً اس کی تصدیق فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ میّت کا سَر ادہر ہونا چاہیئے جدھر جنازہ لے جایا جا رہا ہے اور حکمت دینی کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

فقہ کی کتابوں میں جنازہ اٹھانے کا جو طریق لکھا ہے وہ یہ ہے :۔

" تُحْمَلُ الْجَنَازَةُ مِنْ جَوَانِبِهَا الْاَرْبَعِ فَيَبْدَأُ الَّذِيْ يُرِيْدُ حَمْلَهَا بِالْمُقَدَّمِ الْاَيْمَنِ مِنَ الْمَيِّتِ فَيَجْعَلُهُ عَلٰى عَاتِقِهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ الْمُؤَخَّرِ الْاَيْمَنِ عَلٰى عَاتِقِهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ الْمُقَدَّمِ الْاَيْسَرِ عَلٰى عَاتِقِهِ الْاَيْسَرِ ثُمَّ الْمُؤَخَّرِ الْاَيْسَرِ عَلٰى عَاتِقِهِ الْاَيْسَرِ۔ [1]

یعنی جنازہ چار اطراف سے اُٹھایا جائے۔ جو شخص جنازہ کو کندھا دینا چاہے وہ پہلے میّت کے اگلے حصّہ کی دائیں جانب کو کندھا دے۔ پھر دوسرا اس کے پچھلے حصّہ کی دائیں جانب کو کندھے پر

[1] :۔ تحفة الفقهاء ص۲۵۶ ؏

رکھے۔ پھر تیسرا اگلے حصّہ کی بائیں جانب کو کندھا دے اور چوتھا پچھلے حصہ کی بائیں جانب کو کندھا دے۔

حضرت انسؓ سے طبرانی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
مَنْ حَمَلَ جَوَانِبَ السَّرِيْرِ الْاَرْبَعَ كَفَّرَ اللّٰهُ عَنْهُ اَرْبَعِيْنَ كَبِيْرَةً [1]
یعنی جو شخص جنازہ کو چاروں اطراف سے اٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چالیس قصور معاف کر دے گا۔

نماز جنازہ میں چار ۴ سے زیادہ تکبیریں

مسلم ترمذی ابوداؤد کی حدیث ہے کہ:۔

(۱) كَانَ زَيْدُ بْنُ اَرْقَمَ يُكَبِّرُ عَلٰى جَنَائِزِنَا اَرْبَعًا وَاِنَّهٗ كَبَّرَ خَمْسًا فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُهَا۔ [2]

یعنی۔ زید بن ارقمؓ نے ایک جنازہ پڑھاتے ہوئے پانچ تکبیریں کہیں جب پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم بھی (کبھی کبھی) اس طرح چار سے زائد تکبیریں کہا کرتے تھے۔

(۲) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ كَانَ يُكَبِّرُ عَلٰى اَهْلِ بَدْرٍ سِتًّا وَعَلَى الصَّحَابَةِ خَمْسًا وَعَلٰى سَائِرِ النَّاسِ اَرْبَعًا۔ [3]

ب:۔ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ كَبَّرَ عَلٰى سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ سِتًّا وَقَالَ اِنَّهٗ شَهِدَ بَدْرًا۔ [4]

یعنی۔ ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ بدری صحابہ کے جنازہ میں چھ ۶ دوسرے صحابہ کے جنازہ میں پانچ اور عام لوگوں کے جنازہ میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ بخاری میں بھی اسی مضمون کی حدیث آئی ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک بدری صحابی سہل بن حنیف کے جنازہ پر چھ تکبیریں کہیں۔

---

[1]: طبرانی الاوسط بحوالہ نیل الاوطار کتاب الجنائز باب حمل الجنازۃ والسیر بہا ص۶۵ ج۴ ؛ [2]: ابوداؤد ابواب الجنائز باب التکبیر علی الجنازۃ ص۱۰۳ ج۲ ؛
[3]:- ابن منذر بحوالہ نیل الاوطار ص۵۸ ج۴ ؛ [4]: بخاری کتاب المغازی ص۵۷۱ ج۲ و نصب الرایہ ص۲۶۷ ج۲ و نیل الاوطار ص۵۹ ج۴ ؛

پس ان احادیث سے چار سے زائد تکبیرات کا جواز ثابت ہے۔ گو عام دستور چار[4] تکبیریں کہنے کا ہے۔

سوال :۔ بمباری کی وجہ سے بہت سے فوجی ریزہ ریزہ ہو گئے ان کی نماز جنازہ اور قبر کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

جواب :۔ ایک ہی جگہ نعشوں کے بچے ہوئے حصوں کو جمع کر کے اکٹھے جنازہ پڑھا جائے اور ایک قبر میں دفن کر دیا جائے۔ اس میں کچھ حرج نہیں۔ اُحد کی جنگ میں ایک قبر میں کئی کئی شہدا کو دفن کیا گیا تھا۔

كُفِّنَ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَانِ وَالثَّلٰثَةُ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ ثُمَّ يُدْفَنُوْنَ فِيْ قَبْرٍ وَاحِدٍ ۔ [1]

مشتبہ الحال شخص کا جنازہ

مشتبہ الحال شخص سے مراد ایسا شخص ہے جو اگرچہ باقاعدہ طور پر تو جماعت احمدیہ میں داخل نہ ہو مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مکذب بھی نہ ہو بلکہ احمدیوں سے میل جول رکھتا ہو اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے متعلق ان کی ہاں میں ہاں ملا کر ایک گونہ تصدیق کرتا ہو۔ ایسے شخص کے جنازہ کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ظاہراً کوئی حرج نہیں سمجھا۔ اگرچہ انقطاع کو بہتر قرار دیا ہے۔ جماعت احمدیہ کا عمل ایسے شخص کے بارہ میں بھی حضور کے ارشاد کے آخری حصّہ پر ہے یعنی انقطاع کو بہر حال بہتر خیال کیا گیا ہے۔ مناسب حالات میں پہلے حِصّے پر بھی عمل کرنے میں کچھ حرج نہیں (جس کی اجازت لی جا سکتی ہے) بشرطیکہ امام احمدیوں میں سے ہو۔ اگر نماز جنازہ میں امام احمدی نہ ہو سکتا ہو تو پھر ایسے شخص کے جنازہ کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مندرجہ ذیل خط ایک سند کی حیثیت رکھتا ہے:۔

"جو شخص صریح گالیاں دینے والا۔ کافر کہنے والا اور سخت مکذب ہے اس کا جنازہ تو کسی طرح درست نہیں۔ مگر جس شخص کا حال مشتبہ ہے اس کے لئے کچھ ظاہراً حرج نہیں ہے۔ کیونکہ جنازہ صرف دُعا ہے اور انقطاع بہر حال بہتر ہے۔" [2]

سوال :۔ جو آدمی اس سلسلہ میں داخل نہیں اس کا جنازہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ حضرت اقدس نے فرمایا:۔

---

[1] : ترمذی باب قتلیٰ احد و ذکر حمزہؓ صفحہ ۱۲۱ ÷ [2] : ۲۳ر فروری ۱۹۰۲ء +

"اگر اس سلسلہ کا مخالف تھا اور ہمیں بُرا کہتا تھا اور بُرا سمجھتا تھا تو اس کا جنازہ نہ پڑھو اور اگر خاموش تھا اور درمیانی حالت میں تھا تو اس کا جنازہ پڑھ لینا جائز ہے بشرطیکہ نمازِ جنازہ کا امام تم میں سے ہو ورنہ کوئی ضرورت نہیں۔ متوفی اگر بالجہر مکذب اور مکفر نہ ہو تو اس کا جنازہ پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ علام الغیوب خدا ہی کی ذات پاک ہے۔" [۱]

غیر مبائع کا جنازہ۔

"ایسے غیر مبائع جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں خدمت کی ہے۔ اگر اب انہوں نے ہتک نہ کی ہو تو ہمارا فرض ہے کہ حضور کی طرف سے ان کی خدمت کا آخری بدلہ جنازہ پڑھ کر دیں۔ اس پر کئی لوگ مجھ پر ناراض بھی ہوئے مگر اس بارے میں میرا نفس اس قدر مطمئن ہے کہ میں کسی کی ناراضگی کی پرواہ نہیں کرتا۔ میں سمجھتا ہوں ہمارے دل بُغض سے پاک ہونے چاہئیں۔ زندگی میں ہم اُن سے دلائل سے لڑیں گے لیکن ان کی وفات کے بعد خدا تعالیٰ سے یہی کہیں گے کہ یہ تیرے مسیح پر ایمان لائے تھے ہمیں جو تکلیف ان سے پہنچی ہے وہ ہم معاف کرتے ہیں اور تیرے حضور اُن کے لئے مغفرت کی درخواست کرتے ہیں۔ خواجہ کمال الدین صاحب کی وفات پر بھی میں نے ایسا کیا تھا۔ خلافت سے انکار تو اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے مگر اُن کی وفات کی خبر سُنتے ہی میں نے اُن کے لئے دُعا کی اور کہا کہ میں اپنی تکلیف معاف کرتا ہوں اللہ تعالیٰ تو بھی انہیں معاف کر دے۔" [۲]

بچوں کا جنازہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"احمدیوں کے بچے احمدی ہیں اور جب تک کسی احمدی کا لڑکا یا لڑکی بلوغت کو پہنچ کر احمدیت کا انکار نہ کرے وہ احمدی ہی سمجھا جائے گا۔ اور اس سے احمدیوں کا سا ہی معاملہ ہوگا۔ کیونکہ اولاد جب تک ان میں سے کوئی بالغ ہو کر باپ کے مذہب کی مخالفت کا اعلان نہ کرے باپ کے مذہب پر ہی شمار ہوگی بلکہ احمدی ماں کے بچے بھی احمدی ہی سمجھے جائیں گے خواہ باپ غیر احمدی ہی کیوں نہ ہو۔ پس ایسے تمام لڑکے لڑکیوں کا جنازہ جائز ہے۔" [۳]

---

[۱] الحکم ۳۰ اپریل ۱۹۰۲ء، البدر ۲۸ نومبر ۱۹۰۲ء ؛ [۲] الفضل ۹ جنوری ۱۹۳۲ء صفحہ ۳ ؛ [۳] الفضل ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۸ء ؛

سوال :- پھانسی پانے والے شخص کی نماز جنازہ؟

جواب :- جس شخص کو پھانسی کی سزا ملی ہو اس کی نماز جنازہ جائز ہے ۔ امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے:-

مَا يُعْلَمُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكَ الصَّلٰوةَ عَلٰى اَحَدٍ اِلَّا عَلَى الْغَالِّ وَ قَاتِلِ نَفْسِهٖ ۔ [1]

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قومی امانت (غنائم) میں خیانت کرنے والے اور خودکشی کرنے والے کے سوا باقی سب کی نماز جنازہ پڑھ لیا کرتے تھے اور یہی عام علماء کا مسلک ہے۔

ایک عورت نے بدکاری کے جرم کا اعتراف کیا اور اُسے اس جرم میں سزا ملی اور وہ مر گئی۔ کسی نے اس عورت کے حق میں بُرا بھلا کہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اُسے بُرا نہیں کہنا چاہیئے۔ اس نے اپنے جرم کا اعتراف کرکے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر کوئی بڑا ظالم حاکم بھی کرے تو اس کی بخشش ہو جائے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اعتراف جرم کی صورت میں سزا پانا ایسی توبہ کا رنگ رکھتا ہے کہ اگر یہ توبہ ایک بڑی قوم پر تقسیم کی جائے تو ان کی بھی مغفرت ہو جائے۔ حدیث کے الفاظ ہیں:-

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ اُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ ۔ [2]

سوال :- خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ؟

جواب :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے:-

"اِنَّ رَجُلاً قَتَلَ نَفْسَهٗ بِمَشَاقِصَ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" [3]

ایک شخص نے تیز پھل والے تیر سے خودکشی کر لی تو آپؐ نے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی بعض

---

[1] :- نیل الاوطار کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی من قتل فی حدٍ صفحہ ۔

[2] :- مسلم کتاب الحدود باب من اعترف علی نفسہ بالزنیٰ صفحہ ۔

[3] :- ابن ماجہ کتاب الجنائز باب فی الصلوٰۃ علی اہل القبلۃ صفحہ ۔

علماء نے کہا ہے کہ آپ کا یہ عمل عبرت اور فعل کی شناعت کے اظہار کے لئے تھا کہ یہ بہت ہی بدی کا کام ہے۔ اسی بناء پر حضرت امام ابوحنیفہؒ۔ حضرت امام مالکؒ اور بعض دوسرے علماء نے اجازت دی ہے کہ اگر عام لوگ ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھ لیں تو کوئی شناعت نہیں [1] تاہم ہماری جماعت اجتناب کو بہتر سمجھتی ہے۔

غیر مسلم کی وفات اسلامی معاشرہ میں

اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کے ہاں یا اسلامی معاشرہ میں فوت ہو جائے اور اس کے لواحقین کے لئے اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا ممکن نہ ہو تو تکفین و تدفین کا انتظام مسلمان اپنے طریق پر کر سکتے ہیں۔ البتہ غسل دینے کی ضرورت نہیں۔ [2]

جنازہ غائب

کسی عبادت کے جواز کے لئے شرعی سند کا تعدد ضروری نہیں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ایک بار بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا کام کیا جس کا بنیادی تعلق دین و عبادت سے ہے۔ اور پھر امام وقت نے اس سند کی بناء پر اس دینی کام کو رواج دیا اور اس میں ایک تسلسل اور باقاعدگی کی طرح ڈالی تو یہ طرز عمل جواز و استحسان کے لئے اصول شرعیہ اور قواعد فقہیہ کے عین مطابق ہوگا۔

اس اصول کی بناء پر جماعت احمدیہ نماز جنازہ غائب کی قائل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے نجاشی شاہِ حبشہ (جو مسلمان ہو چکے تھے) کی نماز جنازہ پڑھی تھی جبکہ نجاشی کی نعش ظاہری لحاظ سے عام دستور کے مطابق آپ کے سامنے نہ تھی۔ چنانچہ مسند احمد کی روایت ہے:-

نَعٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ النَّجَاشِیَّ لِاَصْحَابِہٖ ثُمَّ قَالَ اسْتَغْفِرُوْا لَہٗ ثُمَّ خَرَجَ بِاَصْحَابِہٖ اِلَی الْمُصَلّٰی ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰی بِھِمْ کَمَا یُصَلّٰی عَلَی الْجَنَازَۃِ۔ [3]

---

[1]:- نیل الاوطار باب ترک الامام الصلوٰۃ علی الغال وقاتل نفسہ ص۷۴ جلد ۴ ؛ [2]:- (الف) ابوداؤد باب الرجل یموت لہ قرابۃ مشرک ص۱۵۲ ج۲ - (ب) ھدایہ ص۱۴۱ ج۱ ؛ [3]:- مسند احمد ص۵۲۹ ج۲ ؛

حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ کو نجاشی کی وفات کی خبر سنائی۔ پھر فرمایا اس کے لئے بخشش کی دُعا کرو۔ پھر آپ اپنے صحابہ کے ساتھ جنازہ گاہ میں آئے اور کھڑے ہو کر اس طرح نماز پڑھائی جس طرح (سامنے پڑے ہُوئے) جنازے کی نماز پڑھائی جاتی ہے۔ ترمذی نے بھی اسی مضمون کی روایت کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخَاكُمُ النَّجَاشِى قَدْ مَاتَ فَقُوْمُوْا فَصَلُّوْا عَلَيْهِ۔ [1]

ایک اور روایت ہے:۔

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ اُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَائِبٌ فَلَمَّا قَدِمَ صَلَّى عَلَيْهَا وَقَدْ مَضٰى لِذٰلِكَ شَهْرًا۔ [2]

یعنی حضور علیہ السلام باہر تھے کہ اُم سعدؓ وفات پا گئیں۔ جب ایک ماہ کے بعد آپ تشریف لائے اور آپ کو وفات کا علم ہُوا تو آپ نے اُس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ مجموعہ احادیث کی مشہور کتاب کشف الغمہ میں ہے:۔

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّى عَلَى الْغَائِبِ عَنِ الْبَلَدِ۔ [3]

کہ حضور علیہ السّلام اس شخص کا جنازہ پڑھتے جو مدینہ سے دُور کسی دوسری جگہ فوت ہوتا۔ غرض اس مضمون کی احادیث صحاح ستہ میں بکثرت آئی ہیں۔ اسی بناء پر صاحب نیل الاوطار لکھتے ہیں:۔

بِذٰلِكَ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَاَحْمَدُ وَجُمْهُوْرُ السَّلَفِ حَتّٰى قَالَ ابْنُ حَزْمٍ لَمْ يَاْتِ عَنْ اَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ مَنْعُهٗ۔ قَالَ الشَّافِعِيُّ الصَّلٰوةُ عَلَى الْمَيِّتِ دُعَاءٌ لَهٗ فَكَيْفَ لَا يُدْعٰى لَهٗ وَهِيَ غَائِبٌ اَوْ فِي الْقَبْرِ۔ [4]

یعنی فقہ کے مشہور عالم حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور اکثر بزرگان سلف جنازہ غائب پڑھنے کے قائل تھے۔ مشہور محدث ابن حزم کہتے ہیں کہ کسی صحابی کے متعلق یہ نہیں آتا کہ اس نے جنازہ غائب سے منع کیا ہو۔ امام شافعیؒ فرمایا کرتے

---

[1]:۔ ترمذی صفحہ ۱۲۳ ٭ [2]:۔ ترمذی باب الصلوٰة علی القبر صفحہ ۱۲۳ ٭ [3]:۔ کشف الغمہ صفحہ ۲۹۲
[4]:۔ نیل الاوطار الصلاۃ علی الغائب بالنیة و علی القبر الی شہر صفحہ ۲۹/۴ ٭

تھے کہ نماز جنازہ تو ایک دُعا ہے پھر غائب میّت کے لئے یہ دُعا کیوں جائز نہیں ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا :۔

جو جنازہ میں شامل نہ ہوسکیں وہ اپنے طور پر دُعا کریں یا جنازہ غائب پڑھیں ۔" [۱]

اس سلسلہ میں جماعتِ احمدیّہ کا بالعموم طرزِ عمل یہ ہے کہ مندرجہ ذیل صورتوں میں جنازہ غائب مستحسن ہے :۔

(۱) وفات پانے والی اہم شخصیّت ہو اور مرکز سے جنازہ غائب کی تلقین کی گئی ہو ۔

(۲) موقع پر جنازہ پڑھنے والا کوئی نہ ہو یا کسی وجہ سے بہت تھوڑے لوگ جنازہ میں شرکت کر سکے ہوں اور مقامی جماعت نے اس بناء پر بالاتفاق جنازہ غائب کا فیصلہ کیا ہو ۔

(۳) امام وقت کسی خاص وجہ سے کسی مرحوم کی نماز جنازہ غائب پڑھنا مناسب خیال کریں یا اس کی ہدایت دیں ۔

نماز جنازہ کا تکرار

ایک میّت کی کئی بار نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے اور اس کا جواز مندرجہ ذیل روایات سے ثابت ہے :۔

(۱) اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى عَلٰى قَتْلٰى اُحُدٍ عَشَرَةً وَّفِيْ كُلِّ عَشَرَةٍ حَمْزَةُ حَتّٰى صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعِيْنَ ۔ [۲]

(۲) حضرت امام اعظمؒ کی چھ بار نماز جنازہ پڑھی گئی ۔ [۳]

سوال :۔ نماز جنازہ حاضر یا غائب میں مَردوں کے ساتھ عورتوں کی شمولیّت کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

جواب :۔ نماز جنازہ میں عورتوں کی شمولیّت کے اہتمام کو پسند نہیں کیا گیا ۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے زمانہ میں اور پھر اس زمانہ کے حَکم و عدل کے عہد میں اس نماز میں عورتوں کی شمولیّت کی کوئی نمایاں مثال ہمیں نہیں ملتی ۔ البتہ اگر اتفاقی طور پر کوئی عورت شامل نماز ہو جائے ۔ مثلاً جمعہ یا درس کے لئے عورتیں جمع ہیں اور جنازہ آگیا ہے یا گھر کے صحن میں نماز جنازہ ہو رہی ہے اور صفوں کے پیچھے دو چار عورتوں نے اپنی صف بنا کر نماز پڑھ لی ہے تو ایسی

---

[۱] :۔ بدر ۱۹ ارمئی ۱۹۰۷ء ؛ [۲] :۔ نیل الاوطار ترک الصلوٰۃ علی الشہید صہ ۴۳/۴ ؛ مراسیل ابوداؤد صہ ۱۸

[۳] :۔ سیرت ائمہ اربعہ صہ ۶۳ ؛

صورت جائز ہوگی۔

اسی طرح نماز جنازہ غائب میں بصورت موجودگی (جیسے جمعہ کی نماز کے بعد جنازہ غائب یا حاضر ہو اور عورتوں کو اپنی الگ صف بنانے کے لئے مسجد سے باہر نہ جانا پڑے) تو وہ نماز جنازہ میں شامل ہوسکتی ہیں۔ اس کا جواز مندرجہ ذیل روایات سے نکلتا ہے اور سابقہ علماء نے بھی ان سے ایسا ہی استدلال کیا ہے۔

(۱) عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ عَائِشَةَ لَمَّا تُوُفِّیَ سَعْدُ ابْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَتْ اُدْخُلُوْا بِهِ الْمَسْجِدَ حَتّٰی اُصَلِّیَ عَلَیْهِ فَاُنْکِرَ ذَالِکَ عَلَیْهَا فَقَالَتْ وَاللّٰہِ لَقَدْ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی ابْنَیْ بَیْضَاءَ فِی الْمَسْجِدِ سُهَیْلٍ وَاَخِیْهِ۔[1]

(۲) قَدْ یُرْوٰی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ مُعْتَکِفًا لِهٰذَا صَلّٰی فِی الْمَسْجِدِ۔[2]

یعنی حضرت عائشہؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی نماز جنازہ میت مسجد میں رکھوا کر پڑھی۔

(۳) وَیُسْتَدَلُّ لِجَوَازِ صَلٰوةِ النِّسَاءِ بِمَا اَخْرَجَهُ الْحَاکِمُ اَنَّ اَبَا طَلْحَةَ دَعَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی عُمَیْرِ بْنِ اَبِیْ طَلْحَةَ حِیْنَ تُوُفِّیَ فَاَتَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی عَلَیْهِ فِیْ مَنْزِلِهِمْ فَتَقَدَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکَانَ اَبُوْ طَلْحَةَ وَرَائَهٗ وَاُمُّ سُلَیْمٍ وَرَاءَ اَبِیْ طَلْحَةَ وَلَمْ یَکُنْ مَعَهُمْ غَیْرُهُمْ قَالَ الْحَاکِمُ هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ۔[3]

یعنی حضور علیہ الصلوٰة والسّلام نے حضرت ابوطلحہ کے بیٹے عمیر کی نماز جنازہ ان کے گھر میں پڑھی۔ حضور آگے تھے ان کے پیچھے ابوطلحہ اور ان کے پیچھے ام سلیم صف بنا کر کھڑی تھیں۔

(۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ دَخَلَ النَّاسُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

---

[1] مسلم کتاب الجنائز باب الصلوٰة علی الجنازہ فی المسجد ص۳۱۵ ج۲ [2] مشکوٰة ابواب الجنائز ص۱۴۵ حاشیہ ۲

[3] اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالکؒ ص۲۶۱ ج۲

اِرْسَالاً يُصَلُّوْنَ عَلَيْهِ حَتّٰى اِذَا فَرِغُوْا اَدْخَلُوْا النِّسَآءَ حَتّٰى اِذَا فَرِغُوْا اَدْخَلُوْا الصِّبْيَانَ وَلَمْ يَؤُمَّ النَّاسَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ [1]

یعنی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ عورتوں نے بھی پڑھی۔

تاہم اس جواز کے باوجود یہ بات مسلّم ہے کہ عورتوں کے لئے خاص طور پر جنازہ کے ساتھ نکلنا اور جنازہ کی نماز میں اہتمام کے ساتھ شامل ہونا پسند نہیں کیا گیا۔

مسجد میں میّت رکھ کر نماز جنازہ ادا کرنا

عام علماء کا مسلک یہ ہے کہ جنازہ کی نماز مسجد سے باہر ہو۔ یعنی میّت اور نماز جنازہ پڑھنے والے دونوں مسجد سے باہر ہوں۔ لیکن ضرورت یا مجبوری ہو تو مسجد کے اندر بھی نماز جنازہ ہو سکتی ہے۔ میّت کو بلا اشد مجبوری مسجد کے اندر نہیں رکھنا چاہیئے۔ بلکہ صورت یہ ہو کہ امام اور مقتدی مسجد کے اندر صف باندھے ہوں اور میّت مسجد سے باہر امام کی نظر کے سامنے ہو۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بعض اوقات اسی طریق کے مطابق جنازہ پڑھاتے ہیں۔ تاہم نہ تو اس طرز عمل کو عادت بنا لینا چاہیئے اور نہ مقامی انتظامیہ کی باقاعدہ اجازت کے بغیر اسے عام کرنا چاہیئے۔

بہرحال اس طریق عمل کے جواز کے لئے سند موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا لَمَّا تُوُفِّیَ سَعْدُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَتْ اَدْخِلُوْا بِهِ الْمَسْجِدَ حَتّٰى اُصَلِّیَ عَلَيْهِ فَاُنْكِرَ ذٰلِكَ عَلَيْهَا فَقَالَتْ وَاللّٰهِ لَقَدْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ابْنَیْ بَيْضَاءَ فِی الْمَسْجِدِ سُهَيْلٍ وَاَخِيْهِ۔ [2]

یعنی۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی جب وفات ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا معتکف تھیں۔ اس لئے انہوں نے کہلا بھیجا کہ میّت مسجد میں لائی جائے تاکہ وہ بھی جنازہ میں شامل ہو سکیں۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو آپ نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیضاء کے دو بیٹوں کا جنازہ (غالباً اعتکاف کی وجہ سے یا بارش کے پیش نظر) مسجد میں پڑھا تھا۔

۲۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک مسجد نبوی میں منبر اور روضہ کے درمیان رکھ کر نماز جنازہ ادا کی گئی تھی۔ [3]

---

[1]:۔ ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۱۱۸ ؛ [2]:۔ مسلم کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الجنازہ صفحہ ۳۱۳ ؛

[3]:۔ عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ از محمد حسین ہیکل اردو ترجمہ صفحہ ۷۹۳ ؛

حدیث کے الفاظ یہ ہیں :-

"عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ صُلِّیَ عَلٰی عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِی الْمَسْجِدِ" [۱]

۳ - صاحب شرح وقایہ لکھتے ہیں :-

"كُرِهَتْ فِیْ مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ اِنْ كَانَ الْمَیِّتُ فِیْهِ وَاِنْ كَانَتْ خَارِجَةً ...... لَا تُكْرَهُ عِنْدَ الْمَشَائِخِ" - [۲]

یعنی مسجد میں میّت رکھ کر جنازہ پڑھنا بعض علماء کے نزدیک مکروہ اور ناپسندیدہ ہے لیکن اگر نمازی مسجد میں ہوں اور میّت مسجد سے باہر ہو تو یہ جائز ہے اور مکروہ نہیں ہے۔ [۳]

سوال :- نماز جنازہ جوتیوں سمیت اور ننگے سر ادا کرنا کیسا ہے ؟

جواب :- (الف) حدیث میں یہ امر پوری وضاحت کے ساتھ آیا ہے کہ جوتی کے ساتھ نماز جائز ہے حدیث کی ہر مشہور کتاب میں یہ روایت موجود ہے۔ ہم جو مساجد میں جوتیاں لے جانے سے منع کرتے ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مساجد میں صفائی رہے۔ دریاں اور فرش گندے نہ ہوں ورنہ یہ ممانعت کسی شرعی حکم کی وجہ سے نہیں ہے۔ نماز جنازہ چونکہ مسجد سے باہر ہوتی ہے اس لئے جوتیاں پہن کر نماز جنازہ ادا کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔

(ب) ننگے سر نماز ادا کرنا پسندیدہ امر نہیں کیونکہ یہ امر بزرگوں اور سلف صالحین کے طریق کے خلاف ہے اس لئے معیوب ہے۔

سوال :- نماز جنازہ بعد نماز عصر۔

جواب :- نماز جنازہ کسی وقت بھی ہو سکتی ہے۔ نماز عصر کے بعد بھی اور نماز فجر کے بعد بھی۔ اس میں کوئی شرعی روک نہیں ہے۔ البتہ حنفی اور بعض مسلمان فرقے مکروہ اوقات میں نماز جنازہ پسندیدہ نہیں سمجھتے۔ [۴]

سوال :- تدفین کے بعد نعش ایک ملک سے دوسرے ملک میں لے جانا۔ نیز کتنے عرصہ بعد نعش نکال سکتے ہیں۔ اور تابوت کی کیا سند ہے ؟

---

[۱] :- موطا امام مالک باب الصلوٰۃ علی الجنازہ فی المسجد صفحہ ۵ و نصب الرایہ صفحہ ۲۷۶ ؛ [۲] :- شرح وقایہ صفحہ ۲۵۶ ؛

[۳] :- نیز دیکھیں کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ صفحہ ۵۲۷ ؛ [۴] :- (الف) ترمذی باب کراہیۃ الصلوٰۃ علی الجنازہ صفحہ ۱۲۲ (ب) شرح وقایہ کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۱۴۹ ؛

جواب:۔ میت اگر ایک جگہ دفن ہو اور ضرورت کی بناء پر اُسے دوسری جگہ یا دوسرے ملک میں منتقل کرنا ہو تو اس میں کوئی شرعی روک نہیں ہے۔ اصل مقصد میت کی توقیر ہے۔ اگر نعش نکالنے کا مقصد اس کی تحقیر نہ ہو بلکہ کوئی مفید اور مُسلّم غرض ہو تو نعش کو قبر سے نکالا جاسکتا ہے خصوصاً جبکہ وہ بکس میں محفوظ ہو۔

ضرورت اور مصلحت کا فیصلہ مسلمانوں کے مرکزی نظام یا مقامی تنظیم کو کرنا چاہیئے۔ اصل مقصد بُو سے بچنا ہے اگر بُو نہیں تو عرصہ کی تعیین کے بغیر بھی بکس نکالا جاسکتا ہے۔ عرصہ اور مدت کوئی شرعی مسئلہ نہیں بلکہ اندازہ اور تجربہ کی بناء پر چھ ماہ یا سال کی مدت بتائی جاتی ہے کہ اس عرصہ میں بالعموم بُو ختم ہوجاتی ہے اور نعش خشک ہوجاتی ہے۔

سابقہ فقہاء کی آراء اور بعض واقعات کے حوالے درج ذیل ہیں:۔

(۱) كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَخِّصُ فِيْ نَقْلِ الْمَيِّتِ وَنَبْشِ قَبْرِهٖ لِمَصْلَحَةٍ۔ [۱]

(۲) مَاتَ سَعْدُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَسَعِيْدُ بْنُ زَيْدٍ بِقَصْرِهِمَا بِالْعَقِيْقِ فَحُمِلَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ وَدُفِنَا بِهَا۔ [۲]

(۳) تُوُفِّيَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍؓ بِالْحَبْشَه (اسْمُ مَكَانٍ)، فَحُمِلَ اِلٰى مَكَّةَ وَدُفِنَ بِهَا....... [۳]

(۴) حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کی نعشیں مصر سے منتقل کرکے فلسطین لائی گئیں۔ [۴]

(۵) تابوت کے جواز کے بارہ میں مندرجہ ذیل سند قابلِ مطالعہ ہے:۔

(الف) لَا بَأْسَ بِاتِّخَاذِ التَّابُوْتِ وَلَوْ بِحَجَرٍ اَوْ حَدِيْدٍ عِنْدَ الْحَاجَةِ كَرَخَاوَةِ الْاَرْضِ۔

(ب) اِسْتَحْسَنَ مَشَائِخُنَا اِتِّخَاذَ التَّابُوْتِ لِلنِّسَاءِ وَلَوْ لَمْ تَكُنِ الْاَرْضُ رَخْوَةً فَاِنَّهٗ اَقْرَبُ اِلَى السَّتْرِ وَالتَّحَرُّزِ عَنْ مَسِّهَا عِنْدَ الْوَضْعِ فِي الْقَبْرِ۔ [۵]

۱، ۲، ۳:۔ کشف الغمہ ص۲۰۹ باب فی نقل المیّت؛ ۴:۔ (الف) طبری الجزء اوّل تاریخ الامم والملوک ص۱۸۷-۲۱۶ (ب) البدایہ والنہایہ ص۲۲۰ (ج) رد المحتار ص۸۴۲؛ ۵:۔ رد المحتار ص۸۳۶؛

سوال :۔ جس گھر میں وفات ہوجائے تو وہاں قریبی رشتہ داروں اور پڑوسیوں کی طرف سے کھانے بھیجنے کے بارہ میں کیا ہدایت ہے ؟

جواب :۔ وفات کے موقع پر میّت والوں کے گھر میں پڑوسیوں یا قریبی رشتہ داروں کی طرف سے دو۲ تین دن کھانا بھجوانا مسنون ہے ۔ حدیث میں آتا ہے :۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ لَمَّا جَاءَ نَعْیُ جَعْفَرٍ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِصْنَعُوْا لِاَھْلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَاِنَّہٗ قَدْ جَاءَ ھُمْ مَا یَشْغَلُھُمْ [1]

یعنی حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ کے والد حضرت جعفرؓ کی شہادت کی خبر آئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ۔ جعفرؓ کے اہل وعیال کے لئے کھانا تیار کرو کیونکہ وہ جعفر کی وفات کے غم میں مبتلا ہیں اور کھانے کا اہتمام نہیں کر سکتے ۔

زیارتِ قبور

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے زیارتِ قبور کے متعلق فرمایا :۔

" قبرستان میں ایک روحانیت ہوتی ہے اور صبح کا وقت زیارتِ قبور کے لئے ایک سنّت ہے یہ ثواب کا کام ہے اور اس سے انسان کو اپنا مقام یاد آجاتا ہے ۔ انسان اس دُنیا میں مسافر آیا ہے ۔ آج زمین پر ہے تو کل زمین کے نیچے ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب انسان قبروں میں جاوے تو کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ ۔ اَسْأَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ ۔ [2]

سوال :۔ قبر پر کیا دُعا کرنی چاہیئے ؟

جواب :۔ فرمایا ۔ صاحب قبر کے واسطے دُعائے مغفرت کرنی چاہیئے ۔ اور اپنے واسطے بھی خُدا سے دُعا مانگنی چاہیئے ۔ انسان ہر وقت خُدا کے حضور دُعا کرنے کا محتاج ہے [3]

مُردوں کے لئے دعا کرنا

سوال :۔ قبر پر کھڑے ہو کر کیا پڑھنا چاہیئے ؟

---

[1] :۔ ترمذی ابواب الجنائز باب فی الطعام یصنع لاھل المیت صفحہ ۱۱۹/۱ ؛ [2] :۔ مسلم کتاب الجنائز باب مایقال عند دخول القبور ۔ الخ ، ترمذی باب مایقول اذا دخل المقابر صفحہ ۱۲۵/۱ ؛ [3] :۔ بدر ۱۹۰۵ء ۳۱/۱ ، ۲ ، فتاویٰ مسیح موعود صفحہ ۹۴ ؛

جواب :۔ میّت کے واسطے دُعا کرنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ اس کے درجات کو بلند کرے اور اگر اس نے کوئی قصور کیا ہے تو اُس کے قصوروں اور گناہوں کو بخشے اور ان کے پسماندگان کے واسطے اپنے فضل کے سامان کرے۔

سوال :۔ دُعا میں کونسی آیت پڑھنی چاہیئے ؟

جواب :۔ یہ تکلّفات ہیں۔ تم اپنی زبان میں جس کو بخوبی جانتے ہو اور جس میں تم کو جوش پیدا ہوتا ہے میّت کے واسطے دُعا کرو۔[۱]

سوال :۔ قبر پر ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ قبر پر ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا جائز ہے[۲] اور حدیث سے ثابت ہے حضرت امام بخاریؒ اپنے رسالہ رفع الیدین میں یہ حدیث لائے ہیں :۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَاَرْسَلْتُ بَرِيْرَةَ فِيْ اَثَرِهٖ لِتَنْظُرَ اَيْنَ يَذْهَبُ فَسَلَكَ نَحْوَ الْبَقِيْعِ الْغَرْقَدِ فَوَقَفَ فِيْ اَدْنَى الْبَقِيْعِ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَرَجَعَتْ بَرِيْرَةُ فَاَخْبَرَتْنِيْ فَلَمَّا اَصْبَحْتُ سَاَلْتُهٗ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيْنَ خَرَجْتَ اللَّيْلَةَ قَالَ بُعِثْتُ اِلٰى اَهْلِ الْبَقِيْعِ لِاُصَلِّيَ عَلَيْهِمْ[۳]

یعنی حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لے گئے۔ اُنہوں نے اپنی خادمہ حضرت بریرہؓ کو پیچھے بھیجا کہ جا کر دیکھو حضورؐ کدھر جاتے ہیں۔ چنانچہ بریرہ نے واپس آکر بتایا کہ حضور جنت البقیع گئے تھے اور وہاں حضور نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی۔ صبح حضرت عائشہؓ نے حضور سے پوچھا کہ آپؐ رات کس لئے باہر گئے تھے تو آپ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا تھا کہ میں جنت البقیع میں مدفون اپنے صحابہ کے لئے دُعا کروں۔

---

[۱] :۔ بدر ۱۹۰۶ء ، فتاویٰ حضرت مسیح موعودؑ صفحہ ۱۰۹ ؛ [۲] :۔ الفضل ۱۸ رمارچ ۱۹۱۶ء ؛

[۳] :۔ (الف) مسلم باب مایقال عند دخول القبر والدعاء لاهلها صفحہ ۳۸

(ب) حاشیہ المنتقی من اخبار المصطفیٰ صفحہ ۳۳۲ مطبوعہ مطبع رحمانی دہلی ۱۳۳۷ھ ؛

قبر میں سوال وجواب

سوال :۔ قبر میں سوال وجواب رُوح سے ہوتا ہے یا جسم میں وہ رُوح واپس ڈالی جاتی ہے؟

جواب :۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا :۔

" اس پر ایمان لانا چاہیئے کہ قبر میں انسان سے سوال وجواب ہوتا ہے لیکن اس کی تفصیل اور کیفیت کو خُدا پر چھوڑنا چاہیئے۔ یہ معاملہ انسان کا خُدا کے ساتھ ہوتا ہے وہ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔ پھر قبر کا لفظ وسیع ہے جب انسان مرجاتا ہے تو اس کی حالت بعد الموت میں جہاں خُدا اس کو رکھتا ہے وہی قبر ہے خواہ دریا میں غرق ہو جاوے خواہ جل جاوے خواہ زمین پر پڑا رہے۔ دُنیا سے انتقال کے بعد انسان قبر میں ہے اور اس سے مطالبات اور مواخذات جو ہوتے ہیں اس کی تفصیل کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ اُس دُنیا کے لئے تیاری کرے نہ کہ اسکی کیفیت معلوم کرنے کے پیچھے پڑے "۔ [۱]

سوال :۔ سماع موتیٰ کے بارہ میں جماعت احمدیہ کا مسلک کیا ہے؟

جواب :۔ ہمارے نزدیک فوت شدہ اس دُنیا کے رہنے والوں کی باتیں براہ راست نہیں سُن سکتے۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ یہاں کے رہنے والوں کی باتیں ان تک پہنچا سکتا ہے۔ اور بعض اوقات مصلحت کی بناء پر پہنچاتا بھی ہے۔ اسی طرح مرنے والے اللہ تعالیٰ کی اجازت اور توفیق کے مطابق دنیا والوں کے لئے دعائیں بھی کرتے ہیں لیکن چونکہ ان سب امور کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ارادہ کے ساتھ ہے اس لئے اس کے متعلق وہی طریق اختیار کرنا چاہیئے جس کی اجازت شریعت نے بالوضاحت دی ہے مثلاً ان کے حق میں دعا کرنا انہیں ثواب پہنچانے کے لئے رسم ورواج سے بچ کر صدقہ وخیرات کرنا۔ اظہار تعلق کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس صورت میں اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو مرنے والوں کو بھی اس کی اطلاع کر دے گا۔ اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہُوئی توفیق سے اپنے پسماندگان کے لئے دُعا کریں گے۔ براہ راست مُردوں کو مخاطب کرنا کہ وہ اس کے لئے دُعاء کریں یا اس کا یہ کام کر دیں ایک رنگ کا شرک ہے جسے اسلام پسند نہیں کرتا۔

[۱] :۔ بدر ۱۴ فروری ۱۹۰۷ئ

مُردوں کو سلام اور اُن کا سننا

سوال :۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ جو کہا جاتا ہے کیا مُردے سُنتے ہیں؟

جواب :۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا :۔

"دیکھو وہ سلام کا جواب وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ تو نہیں دیتے۔ خُدا تعالیٰ وہ سلام جو ایک دُعا ہے پہنچا دیتا ہے۔ اب ہم جو آواز سُنتے ہیں اس میں ہوا ایک واسطہ ہے لیکن یہ واسطہ مُردہ اور تمہارے درمیان نہیں۔ لیکن سَلَامٌ عَلَیْکُمْ میں خُدا تعالےٰ ملائکہ کو واسطہ بنا دیتا ہے۔ اسی طرح درود شریف ہے کہ ملائکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دیتے ہیں۔" [1]

مُردہ کی آواز

سوال :۔ کیا مُردہ کی آواز دنیا میں آتی ہے؟

جواب :۔ خُدا تعالیٰ کی آواز تو ہمیشہ آتی ہے مگر مُردوں کی نہیں آتی۔ اگر کبھی کسی مُردے کی آواز آتی ہے تو خُدا تعالیٰ کی معرفت یعنی خدا تعالیٰ کوئی خبر ان کے متعلق دے دیتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ کوئی ہو خواہ نبی ہو یا صدیق یہ حال ہے کہ "آں را کہ خبر شُد خبرش باز نیامد" اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اور اہل وعیال کے درمیان ایک حجاب رکھ دیتا ہے وہ سب تعلق قطع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے فرماتا ہے "فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ" [2]

مرنے پر کھانا کھلانا

سوال :۔ دیہات میں دستور ہے شادی غمی کے موقع پر ایک قسم کا خرچ کرتے ہیں۔ کوئی چودھری مَر جاوے تو تمام مسجدوں، دواروں و دیگر کمیوں کو بحصہ رسدی کچھ دیتے ہیں۔ اس کی نسبت حضور کا کیا ارشاد ہے؟

جواب :۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا :۔

"طعام جو کھلایا جاوے اس کا مُردہ کو ثواب پہنچ جاتا ہے۔ گو ایسا مفید نہیں جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں خود کرتا ہے۔ عرض کیا گیا حضور وہ خرچ وغیرہ کمیوں میں بطور حق الخدمت

---

[1] :۔ بدر ۱۶ / مارچ ۱۹۰۴ء ۔ [2] :۔ فتاوٰی احمدیہ صفحہ ۱۱۴ ۔

تقسیم ہوتا ہے۔

فرمایا۔ تو پھر کچھ ہرج نہیں۔ یہ ایک علیحدہ بات ہے کسی کی خدمت کا حق تو دینا چاہیئے۔ عرض کیا گیا کہ اس میں فخر و ریاء تو ضرور ہوتا ہے۔ یعنی دینے والے کے دل میں یہ ہوتا ہے کہ مجھے کوئی بڑا آدمی کہے۔ فرمایا۔ بہ نیّت ایصال ثواب تو وہ پہلے ہی خرچ نہیں حق الخدمت ہے۔ بعض ریاء شرعاً بھی جائز ہیں مثلاً چندہ وغیرہ۔ نماز با جماعت ادا کرنے کا جو حکم ہے تو اسی لئے کہ دوسروں کو ترغیب ہو۔ غرض اظہار و اخفاء کے لئے مواقع ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ شریعت سب رسوم کو منع نہیں کرتی۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر ریل پر چڑھنا۔ تار و ڈاک کے ذریعہ خبر منگوانا سب بدعت ہو جائے۔" [۱]

دسویں محرم کو خیرات

سوال:۔ محرم کی دسویں کو جو شربت و چاول وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اگر یہ للہ بہ نیّت ایصالِ ثواب ہو تو اس کے متعلق حضور کا کیا ارشاد ہے؟

جواب:۔ فرمایا "ایسے کاموں کے لئے دن اور وقت مقرر کرنا ایک رسم و بدعت ہے اور آہستہ آہستہ ایسی رسمیں شرک کی طرف لے جاتی ہیں۔ پس اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ایسی رسموں کا انجام اچھا نہیں۔ ابتداء میں اسی خیال سے ہو مگر اب تو اس نے شرک اور غیر اللہ کے نام کا رنگ اختیار کر لیا ہے اس لئے ہم اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ جب تک ایسی رسوم کا قلع قمع نہ ہو عقائد باطلہ دُور نہیں ہوتے۔" [۲]

مُردہ کے لئے قرآن خوانی

"مُردہ کے لئے قرآن پڑھنے کے متعلق فرمایا کہ اُسے قرآن کریم کا ثواب نہیں پہنچتا مگر صدقہ و خیرات کا ثواب مُردے کو پہنچتا ہے کیونکہ قرآن کا پڑھنا عبادت ہے۔ صدقہ بھی مُردے کے اعمال میں نہیں لکھا جاتا بلکہ کسی اور رنگ میں اس کو ثواب ملتا ہے۔" [۳]

مُردہ کا ختم و اسقاط میّت

سوال:۔ مُردہ کا ختم وغیرہ جو کرایا جاتا ہے یہ جائز ہے یا ناجائز؟

---

[۱]:۔ بدر ۱۷ر جنوری ۱۹۰۸ء ؛ [۲]:۔ بدر ۱۴ر مارچ ۱۹۰۷ء ؛ [۳]:۔ الفضل ۳ر جولائی ۱۹۲۲ء ؛

جواب :۔ "اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے صرف دُعا اور صدقہ میّت کو پہنچتی ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ نماز پنجگانہ ادا کرے اور رکوع سجود میں میّت کے لئے دُعا کرے۔ یہ طریق نہیں ہے کہ الگ کلام پڑھ کر بخشے۔ اب دیکھو لغت کا کلام منقول چلا آتا ہے کسی کا حق نہیں ہے کہ اپنی طرف معنے گھڑے۔ ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو امر ثابت ہو اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ نہ کہ اپنی من گھڑت پر ایک طریق اسقاط کا رکھا ہے کہ قرآن شریف کو چکر دیتے ہیں۔ یہ اصل میں قرآن شریف کی بے ادبی ہے۔ انسان خُدا سے سچا تعلق رکھنے والا نہیں ہو سکتا۔ جب تک سب نظر خُدا پر نہ ہو۔" [1]

مُردہ کی اسقاط

سوال :۔ لوگ مُردہ کے پاس کھڑے ہو کر اسقاط کراتے ہیں کیا اس کا کوئی طریق جائز ہے؟

جواب :۔ فرمایا "اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے۔ مُلّاؤں نے ماتم اور شادی میں بہت سی رسمیں پیدا کر لی ہیں یہ بھی ان میں سے ایک ہے۔" [2]

میّت کے لئے قُل

سوال :۔ میّت کے لئے قل جو تیسرے دن پڑھے جاتے ہیں ان کا ثواب اسے پہنچتا ہے یا نہیں؟

جواب :۔ "قل خوانی کی کوئی اصل شریعت میں نہیں ہے دُعا اور استغفار میّت کو پہنچتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مُلّاؤں کو اس سے ثواب پہنچ جاتا ہے۔ سو اگر انہیں ہی کو مُردہ تصوّر کر لیا جاوے تو ہم مان لیں گے۔ ہمیں تعجب ہے کہ یہ لوگ ایسی باتوں پر اُمید کیسے باندھ لیتے ہیں۔ دینِ اسلام تو ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہے اس میں ان باتوں کا نام تک نہیں۔ صحابہ کرامؓ بھی فوت ہوئے۔ کیا کسی کے قُل پڑھے گئے۔ صدہا سال بعد اور بدعتوں کی طرح یہ بھی ایک بدعت نکل آئی ہوئی ہے۔" [3]

مُردہ کی فاتحہ خوانی

سوال :۔ کسی کے مرنے کے بعد چند روز لوگ ایک جگہ جمع رہتے ہیں اور فاتحہ خوانی کرتے ہیں فاتحہ خوانی

---

[1] :۔ بدر ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء ؛ [2] :۔ بدر ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء ؛ [3] :۔ بدر ۱۶ مارچ ۱۹۰۴ء ؛

ایک دُعائے مغفرت ہے۔ پس اس میں کیا مضائقہ ہے؟

جواب:۔ فرمایا "ہم تو دیکھتے ہیں کہ وہاں سوائے غیبت اور بے ہودہ بکواس کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ پھر یہ سوال ہے کہ آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام و ائمہ عظام میں سے کسی نے یوں کیا۔ جب نہیں کیا تو کیا ضرورت ہے۔ خواہ مخواہ بدعات کا دروازہ کھولنے کی۔ ہمارا مذہب تو یہی ہے کہ اس رسم کی کچھ ضرورت نہیں۔ ناجائز ہے۔"[1]

ختم اور ختم کی ریوڑیاں

سوال:۔ ختم کی ریوڑیاں وغیرہ لے کر کھانی چاہئیں کہ نہ؟

جواب:۔ "ختم کا دستور بدعت ہے۔ شرک نہیں ہے۔ اس لئے کھا لینی جائز ہیں۔ لیکن ختم دلوانا ناجائز ہے اور اگر کسی پیر کو حاضر و ناظر جان کر اس کا کھانا دیا جاتا ہے وہ ناجائز ہے۔"[2]

مُردہ پر نوحہ

"ماتم کی حالت میں جزع فزع اور نوحہ یعنی سیاپا کرنا اور چیخیں مار کر رونا اور بے صبری کے کلمات زبان پر لانا۔ یہ سب ایسی باتیں ہیں جن کے کرنے سے ایمان کے جانے کا اندیشہ ہے اور یہ سب رسمیں ہندوؤں سے لی گئی ہیں۔ جاہل مسلمانوں نے اپنے دین کو بھلا دیا اور ہندوؤں کی رسمیں اختیار کر لیں۔ کسی عزیز اور پیارے کی موت کی حالت میں مسلمانوں کے لئے یہ حکم قرآن شریف میں ہے کہ صرف اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہیں۔ یعنی ہم خدا کا مال اور مِلک ہیں اسے اختیار ہے جب چاہے اپنا مال لے لے اور اگر رونا ہو تو صرف آنکھوں سے آنسو بہانا جائز ہے اور جو اس سے زیادہ کرے وہ شیطان ہے۔ برابر ایک سال تک سوگ رکھنا اور نئی نئی عورتوں کے آنے کے وقت یا بعض خاص دنوں میں سیاپا کرنا اور باہم عورتوں کا سر ٹکرا کر چلّا کر رونا اور کچھ کچھ منہ سے بھی بکواس کرنا اور پھر برابر ایک برس تک بعض چیزوں کا پکانا چھوڑ دینا اس عذر سے کہ ہمارے گھر میں یا ہماری برادری میں ماتم ہو گیا ہے یہ سب ناپاک رسمیں ہیں اور گناہ کی باتیں ہیں جن سے پرہیز کرنا چاہیئے۔"[3]

---

[1]:۔ بدر ۱۶ مارچ ۱۹۰۴ء ، ۱۹ مئی ۱۹۰۷ء؛ [2]:۔ بدر ۱۶ مارچ ۱۹۰۴ء؛ [3]:۔ فتاویٰ مسیح موعودؑ ص ۱۰۳؛

قبر پکّی بنانا

سوال:۔ مَیں اپنے بھائی کی پکّی قبر بناؤں یا نہیں؟

جواب:۔ "اگر نمود اور دکھلاوے کے واسطے پکّی قبریں اور نقش و نگار اور گنبد بنائے جاویں تو یہ حرام ہے۔ لیکن اگر خشک مُلّا کی طرح یہ کہا جاوے کہ ہر حالت اور ہر مقام میں کچی ہی اینٹ لگائی جاوے تو یہ بھی حرام ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ عمل نیّت پر موقوف ہے۔ ہمارے نزدیک بعض وجوہ میں پکّی کرانا درست ہے۔ مثلاً بعض جگہ سیلاب آتا ہے بعض جگہ قبر میں میّت کو کتّے اور بجّو وغیرہ نکال لے جاتے ہیں۔ مُردے کے لئے بھی ایک عزّت ہوتی ہے۔ اگر ایسی وجوہ پیش آجائیں تو اس حد تک کہ نمود اور شان نہ ہو بلکہ صدمہ سے بچانے کے لئے قبر کا پکّا کرنا جائز ہے۔ اللہ اور رسُول نے مومن کی لاش کے لئے بھی عزّت رکھی ہے۔ ورنہ عزّت ضروری نہیں تو غسل دینے۔ کفن دینے۔ خوشبو لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ مجوسیوں کی طرح جانوروں کے آگے پھینک دو۔ مؤمن اپنے لئے ذلّت میں رہنا نہیں چاہتا۔ حفاظت ضروری ہے۔ جہاں تک نیّت صحیح ہے خُدا تعالیٰ مؤاخذہ نہیں کرتا۔

دیکھو مصلحت الٰہی نے یہی چاہا کہ حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پختہ گنبد ہو اور کئی بزرگوں کے مقبرے پختہ ہیں۔ مثلاً نظام الدین۔ فرید الدین۔ قطب الدین۔ معین الدین رحمہم اللہ علیہم۔ یہ سب صلحاء تھے۔" [۱]

قبہ یا روضہ بنانا

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا:۔

"اگر قبر کی حفاظت کے لئے ضروری نہ ہو تو قبہ وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ اور اگر یادگار کے خیال سے قبہ بنایا جائے تو مَیں ایسی یادگار کا قائل نہیں کہ اس کے لئے قبہ ضروری ہو۔ یہی خیال ہے جس سے آگے شرک پیدا ہوتا ہے۔ پس پروٹیکشن (حفاظت) تو ٹھیک ہے لیکن میموریل (یادگار) ٹھیک نہیں کیونکہ قبر کی اس رنگ میں یادگار ہی وہ چیز ہے جو آگے شرک تک پہنچا دیتی ہے۔ بے شک ہم تو احترام کے طور پر قبے بنائیں گے لیکن دوسرے لوگ اس احترام کو اس حد تک پہنچا دیں گے کہ جس سے شرک شروع

---

[۱] :۔ الحکم ۱۰؍مئی ۱۹۰۱ء۔ فتاویٰ مسیح موعود صفحہ ۹۲-۹۳

ہو جائے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر جو قبہ بنایا گیا ہے وہ بھی حفاظت کے لئے ہے نہ کہ اس لئے کہ مزار کی عزت کی جائے ۔" [1]

سوال :- قبروں پر قبہ بنانا کیوں جائز نہیں ؟

جواب :- "انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے کہ جن وجودوں کے ساتھ اسے محبت ہوتی ہے ان کے مرنے کے بعد بھی جہاں تک ہو سکے ان کا احترام کرنا چاہتا ہے یوں تو جب کوئی شخص مرجاتا ہے اس کی لاش اگر کتے بھی کھا جائیں تو اُسے کیا تکلیف ہوگی لیکن اس سے محبت رکھنے والے جو زندہ انسان ہوں ان کی فطرت گوارا نہیں کرتی کہ لاش کی یہ حالت ہو۔ اس لئے وہ اپنے طور پر اس کا احترام کرتے ہیں۔ مگر یہ کوئی شرعی احترام نہیں ہوتا۔ کیونکہ شرعی طور پر احترام جائز نہیں۔ کیونکہ اس سے شرک پھیلتا ہے۔ بچوں وغیرہ کی قبر پر کوئی قبہ نہیں بناتا مگر بزرگوں کی قبر پر قبہ بناتے ہیں کیونکہ ان کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ ان سے کچھ حاصل ہوگا ۔" [2]

مزار کو بوسہ دینا

ایک شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار کو بوسہ دینے کے متعلق پوچھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :-

" یہ جائز نہیں لغوبات ہے۔ اس قسم کی حرکات سے شرک شروع ہوتا ہے اصل چیز نبی کی تعلیم پر عمل کرنا ہے مگر لوگ اسے چھوڑ کر لغو باتوں میں جا پڑے ہیں ۔" [3]

---

[1] :- الفضل یکم مارچ ۱۹۲۷ء ۔ [2] :- الفضل یکم مارچ ۱۹۲۷ء ۔ [3] :- الفضل ۱۸ مئی ۱۹۲۶ء ۔